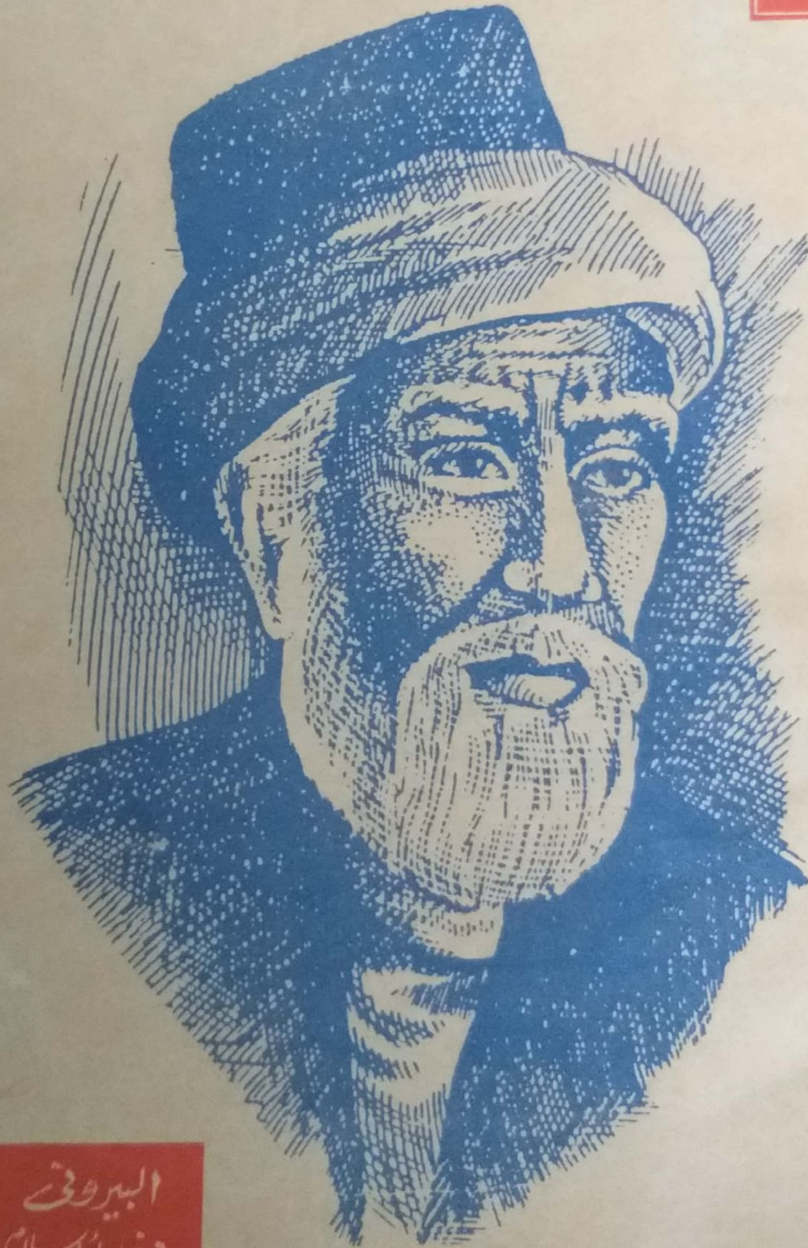




البیرونی
دنیائے اسلام ہی کا نہیں
بلکہ پوری نوع انسانی کا ایک عظیم
سائنسدان ہے۔



ایڈیٹر
میاں محمد ملک

قلمی معاونین

پروفیسر انور بیگ اعوان
کرنل (ریٹائرڈ) محمد اسلم

پبلشر: سرفراز خان

مقام اشاعت: B-171152 تلہ گنگ روڈ چکوال

جلد ۱ شمارہ ۲۰

قیمت خصوصی اشاعت ۵ روپے

مضامین

ابتدائیہ

چکوال اور اس کے گرد و نواح کا تاریخی پس منظر پردہ اخفا میں ہے اس کے کئی سبب ہیں لیکن سب سے بڑا سبب اس کا عسکری خطہ ہونا ہے اس کی موجودہ پسماندگی معاشی بدحالی، غیر علمی رجحان اس کے دوسرے اسباب ہیں یہاں سے جو صاحب علم اور علمی ثروت سے بہرہ یاب ہوئے وہ یہاں سے ہجرت کر کے "پرسکون" جگہ کی تلاش میں نکل گئے اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ علاقہ میں وہی لوگ رہ گئے جو کہیں اور جانے کے قابل نہیں تھے معاشی جبریت نے کسی کو سر اٹھانے کی مہلت نہ دی کہ وہ یہاں کے تاریخی عوامل اور پس منظر سے متعلق تحقیق کرتا یا اس کے قدیم تہذیب و ثقافت کی کڑیاں تلاش کرتا۔

افواج پاکستان میں اس علاقہ کی بڑی اہمیت ہے یوں کہنا چاہئے کہ یہاں کی تہذیبی خاصیت ہی عسکری رجحان کی ہے یہاں کا تمدن میں آغوش میں پروان چڑھا وہ جنگ و جدل ہی تھی۔ اس کے کئی عوامل ہیں، برصغیر پر حملہ آوروں کی راہ میں دو بڑی رکاوٹیں تھیں ایک دریائے سندھ اور دوسرا سلسلہ کوہستان نمک۔

دریائے سندھ کی گزرگاہ جو کالا باغ کے پاس سے ہو کر گزرتی تھی دھنکوٹ کا قلعہ پہلی دفاعی لائن تھی سلسلہ کوہستان نمک کالا باغ سے جہلم تک پھیلا ہوا ہے یہ دوسری دفاعی لائن جو کہ پہلے ہی بہت مضبوط تھی لیکن مضبوط تر بنانے کے لئے اس پہاڑ کے پہلوؤں میں اور چوٹی پر قلعے تعمیر کر دیئے گئے جن میں کمر قند، ملوٹ، مکھیالیہ، کسک، نندنہ اور ہستاس خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان قلعوں نے ہماری تاریخ بنانے یا بگاڑنے میں نہ صرف کردار ادا کیا بلکہ اس علاقے کی عسکری... ثقافت کے ارتقاء میں بڑا اہم کردار ادا کیا وہ قبیلے جو یہاں کے قدیم باشندے تھے نت نئی جنگوں میں جنگجو بن کر رہ گئے اور یا پھر وہ لوگ جو حملہ آور تھے اپنے لشکروں سے الگ ہو کر یہیں کے ہو رہے وہ بھی جنگجو ہی تھے اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ غیر جنگجو لوگ یہاں سے ہجرت کر جائیں حملہ آوروں کی یلغار سے پہلے کا دور قطعی طور پر شواہد مہیا کرتا ہے کہ علمی اعتبار سے یہ گہوارہ تھا نہ صرف ہندوستان بھر کے بلکہ برصغیر کے باہر کے لوگ بھی حصول علم کے لئے اسی طرف کا رخ کرتے تھے کٹاس کو اپنے دور میں ہندوستانی علوم اور... سنسکرت وغیرہ میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا اور یہی حال نندنہ کا تھا البیرونی کا یہاں آنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے مقامی پنڈت اگرچہ سکھانے کے معاملے میں زیادہ فراخدل نہ تھے اس کے باوجود البیرونی ان کے علم و فضل کا مداح ہے۔

ہم اس علاقے کی تاریخ کی تحقیق و جستجو کو نقطۂ آغاز البیرونی کی کاوشوں کو ہی قرار دے کر آگے بڑھنا چاہیں گے ادارہ اپنے ابتدائی مراحل کے باوجود البیرونی کی یاد میں اپنی ابتدائی کوششوں کو شامل کرنے کو سعادت تصور کرتا ہے امید ہے کہ آئندہ اسی موقع پر بہترین کاوشوں کو شامل کر سکے گا۔

ہم اہل علم اور تحقیق و تجسس کا ذوق رکھنے والے مہربانوں سے درخواست کریں گے کہ وہ اس سلسلے میں ادارے کے ساتھ تعاون کریں یہ صرف علاقے کی خدمت نہ ہوگی بلکہ تاریخ انسانیت میں اس علاقے کی اہم خدمات کو بہ حوالہ قرطاس کر کے وہ اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکیں گے۔

سلطان محمود غزنوی کے حریف راجگان نندنا کا حسب و نسب

انور بیگ اعوان

سطح مرتفع کوہستان نمک یوں تو صدیوں سے شمال مغربی سرحدی حدوں سے گذر کر آنے والے حملہ آوروں کی ترکتازیوں کی جولانگاہ رہ چکی ہے لیکن راجہ ہرش وردھن کی ۶۴۷ء میں موت کے بعد جس انتشار، افراتفری اور طوائف الملوکی کا شکار ہوئی جنوبی ایشیا کی تاریخ میں اسکی مثال شاید مشکل ہی سے مل سکے۔ اس طوائف الملوکی کے نتیجہ میں نہ صرف جنوبی ایشیا کا سیاسی اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ بلکہ ملک کے طول و عرض میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی معرض وجود میں آ گئیں جو تمام کی تمام خود مختار تھیں۔ ان ریاستوں کے حکمران زیادہ تر راجپوت تھے۔ افراتفری کا یہ عالم گیارہویں صدی عیسوی تک رہا۔ اس کے بعد ۵۰۰ سال کا زمانہ تاریخ پاک و ہند میں راجپوتوں کا زمانہ کہلاتا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس عہد کے پنجاب کی تاریخ تاحال تحقیقی انداز سے مرتب نہیں کی جا سکی۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ راجپوت کون تھے؟ اور ان کی ابتداء کیسے ہوئی؟ راجپوتوں کی ابتداء کے متعلق مورخین میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کچھ انہیں یہیں کے باشندے بتاتے ہیں کچھ انہیں غیر اقوام سے گردانتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ اگنی کنڈ سے تعلق رکھتے ہیں کچھ انہیں سیتھین، ساکا، سفید ہن اور گوجر قبائل کا ملغوبہ تصور کرتے ہیں۔ ایک مشہور مصنف کرنل ٹاڈ اپنی مشہور کتاب راجستھان میں اسی دوسرے نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ اور وہ انہیں غیر ملکی حملہ آوروں کی اولاد گردانتے ہوئے انہیں راج کے پوت یعنی راجپوت کہتا ہے لیکن اس کے خلاف ایک نظریہ پنڈت گوری شنکر اوجھا کا یہ ہے کہ راجپوت غیر ملکی نہیں تھے بلکہ برصغیر کے قدیم کھشتری حکمرانوں کی اولاد تھے اس نظریہ کے مطابق اگنی کنڈ والا نظریہ محض توہم پرستی پر مبنی ہے۔ اس دانشور کے بقول ابتداء میں راجپوتوں کے دو ہی قبیلے تھے ایک سورج بنسی اور دوسرے چندر بنسی ان دونوں خاندانوں کو مہابھارت اور رامائن کے زمانوں میں بڑی شہرت حاصل ہوئی جو بعد ازاں زمانے کے ساتھ ساتھ متعدد قبیلوں اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا راجہ ہرش کی موت کے بعد طوائف الملوکی کے نتیجہ میں راجپوتوں کی کم و بیش ۳۱ خود مختار ریاستوں کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے جن میں سے گندھارا، جموں و کشمیر، سبوئی اور شوتی ریاستوں کا واسطہ سطح مرتفع کوہستان نمک سے براہ راست رہ چکا ہے۔

چوں کہ راجپوت تاریخ کے ہر دور میں کسی نہ کسی رنگ اور انداز میں نمایاں حیثیت کے مالک چلے آ رہے ہیں اس لیے ان کے القاب بھی اپنے اندر رنگا رنگی رکھتے ہیں ابتداء میں راجپوت قبیلہ کے سربراہ کو چھتری یا راجا کہا جاتا ہے بعد میں گرمانی، گوپ، مکھیا اور کھشتری وغیرہ اور کھشتری اپنے قبیلہ پر راج کرتا تھا اسکو راج کی نسبت سے راجن اور بعد میں راجا کہا جانے لگا ولی عہد کو راج پتر اور راجا کے دوسرے لڑکوں کو راج کے پوت پکارا جاتا تھا۔

منو دھرم شاستر کے مطابق انسانی زندگی کو چار آشرموں (مرحلوں) میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر آشرم پچیس سالوں پر محیط ہوتا ہے۔ پچاس سال کی عمر کو پہنچ کر راجا حکومت راج پتر کے حوالہ کر کے خود گیان دھیان میں مصروف ہو جایا کرتا تھا اور جب بان پرست آشرم کے پچیس سال پورے کر کے



واپس آتا تو اسکو چتر دھارن یا چتر دھاری کہا جاتا تھا اس زمانے میں مکھیاں دور کرنے کے لیے جس پنکھا کو استعمال کیا جاتا تھا اس کو چنور دھار کہتے تھے اور جب بزرگ ہستی کی مگس رانی چنور دھار سے کی جاتی تھی اس کو احتراماً چنور دھاری کہا جاتا تھا یہی لفظ بعد میں چودھری بن گیا، اسی لیے بعض راجپوت چودھری بھی کہلاتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مغلیہ عہد میں لگان وصول کرنے والے ہر افسر کو بھی چودھری ہی کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں ملک خان، راؤ، رانا، رائے، مہتہ، ٹھاکر دیوان اور بخشی جیسے اعزازی ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔

مہاراجہ ہرش وردھن کا حوالہ ہم اوپر دے آئے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ متحدہ ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔ ہرش کی راجدھانی قنوج پر راجا لیش ورمن کا ۶۵۶ء تک قبضہ رہا اس کے عہد میں سطح مرتفع کوہستان نمک اور متھرا قنوج کے تحت تھے۔ مگر ۶۵۹ء کے قریب سندھ کے رائے خاندان نے کوہستان نمک کے علاقے اور کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ طلوع اسلام سے قبل سندھ کے حکمران رائے کہلاتے تھے۔ انہوں نے ۱۳۷ سال تک سندھ پر حکومت کی۔ رائے خاندان کے پانچ مشہور بادشاہ ہو گذرے ہیں ان میں سے جس نے سب سے پہلے سطح مرتفع کوہستان نمک پر قبضہ کیا اس کا نام "رائے ڈیوایچ" تھا۔ بعد میں رائے سہرس میں سندھ کا حکمران بنا اور اس کا بیٹا رائے سناہسی صوبہ ملتان کا گورنر تھا یوں کوہستان نمک اور کشمیر کے علاقے صوبہ ملتان کے حصے

بن گئے۔ رائے سہرس کا دارالحکومت الوریا اروڑ تھا۔ ایرانیوں کے ہاتھوں رائے سہرس کے قتل ہونے پر کشمیر اور کوہستان نمک کے لوگوں نے آزادی کا اعلان کر دیا اور یہاں پر کشمیر کے کارکوٹہ خاندان کی حکومت ہو گئی اس خاندان کا مشہور بادشاہ "للیتا دتیہ" تھا جس نے اس علاقہ پر ۷۲۴ء سے ۷۶۰ء تک حکومت کی اس نے والئے قنوج یشو ورمن کو قتل کر کے مگدھ، آسام، اڑیسہ گجرات اور مالوہ کو فتح کر لیا۔ ہزارہ وسطی ایشیا کے علاقے پہلے ہی اس کی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے۔ جن دنوں کوہستان نمک کا علاقہ کارکوٹا خاندان کے ماتحت تھا ان دنوں پنجاب کے باقی حصہ پر بدھ مت کا پیروکار ایک راجپوت قبیلہ حکمران تھا ان کا پایہ تخت ٹھٹھہ تھا۔ اس خاندان کے بادشاہ اپنے نام کے ساتھ "پال" کا لاحقہ استعمال کرتے تھے۔

جب کارکوٹہ (۷۱۱ء - ۸۰۷ء) خاندان کے بادشاہوں کی گرفت ڈھیلی پڑی تو قنوج پر تہاد خاندان نے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کے جس شخص نے قنوج پر قبضہ کیا اس کا نام ناگ بھٹ ثانی تھا مگر جلد ہی بنگال کے راجہ دھرم پال نے یہ علاقہ چھین لیا اور راجہ ناگ بھٹ ثانی کو وہاں سے نکال دیا مگر کچھ ہی عرصہ بعد پرتہاد خاندان میں سے راجا بھوج نے دوبارہ قنوج پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت کو خوب مستحکم کیا اس خاندان کی حکومت ۱۰۱۹ء تک قائم رہی اس خاندان کے مشہور بادشاہ چندر پال، بھوج پال ثانی اور ماہی پال ہو گذرے ہیں اس زمانے میں گندھارا اور کابل کے تمام علاقے کو گندھارا سلطنت ہی کہا جاتا تھا اور یہ علاقہ ہندو راجپوتوں کے ایک قبیلہ کے ماتحت تھا چونکہ اس قبیلہ کے راجپوتوں کے

عبدالمجید کا نام گو پال تھا اس لیے انہوں نے ہر
مذہب کے نام کے ساتھ لفظ پال ضرور جے پال
کیا یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک راجپوت شہزادہ
بمطابق روایات گھنگر پال علاقہ کوہستان نمک
میں آیا ان دنوں ہندومت زوروں پر تھا اور
بدھ مت کے ماننے والوں پر بہت ظلم
کئے جاتے تھے چونکہ یہ راجپوت خاندان بدھ مت
کے ماننے والے تھے اس لیے علاقہ کوہستان
نمک، کشمیر اور کابل کے لوگوں نے شہزادہ

ہوا۔ اس کے بعد اسی سال میں سلطان محمود
نے بھیٹنر (بھیرہ) کے راجا بجی رائے کو
سبق سکھانے کے لیے حملہ کیا راجہ بھیٹنر
کو شکست ہوئی اور فتح کے بعد سلطان نے قلعہ
راجا جے پال کے نواسے سکھ پال عرف نواسہ
شاہ کے حوالے کر دیا۔ ۱۰۰۳ء میں ملتان
کے حاکم داؤد قرامطی پر چڑھائی کرنا چاہی
لیکن انند پال مزاحم ہوا اور سلطان سے شکست
کھا کر کشمیر بھاگ گیا جب سلطان واپس غزنی آیا

پشاور کے قریب گھمسان کا رن پڑا۔ بارِ دگر موصوف کی بڑی پذیرائی کی۔ اس نے ۷۸۵ء
جے پال کی ٹڈی دل فوج کو شکست ہوئی میں کابل کو پایۂ تخت بنا کر حکومت شروع
دوبارہ تاوانِ جنگ کا وعدہ کرکے جے پال کردی۔ گھنگر پال کے بعد سین پال، میکھ پال
نے جان چھڑائی اور اطاعت قبول کی۔ اور بیر پال یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے راجہ
پشاور اور دریائے سندھ کے اس پار کا علاقہ گھنگر پال کا کنگ پال سے دسویں پشت میں
مسلمانوں کے حوالہ کیا۔ اس معرکہ کے بعد راجا جیپال حکمران ولی عہد (موجودہ ہنڈ) ہوا۔
جس کا مقابلہ سلطان محمود کے والد امیر سبکتگین
۹۷۷ء میں امیر فوت ہوگیا۔
معمولی سی جنگ جانشینی کے بعد محمود (۹۷۷-۹۹۷ء) سے ہوا۔
نے خراسان کے علاوہ غزنی پر بھی قبضہ کر لیا۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ بھٹوں
اور اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا ۱۰۰۱ء جنجوعوں راٹھوروں اور چوہانوں کا مورثِ اعلیٰ
سے صحیح معنوں میں سلطان محمود نے برصغیر کی ایک ہی تھا اور ان کا تعلق چندر بنسی خاندان
جانب توجہ مبذول کی اس نے کل سترہ حملے سے ہے افغانستان کے حکمران راجپوت
کئے جن میں سے ہم صرف چند ایک کا ذکر کرینگے خاندان کا تعلق جنجوعوں سے تھا اور کوہستان
جب جے پال کو معلوم ہوا کہ امیر سبکتگین نمک کے علاقہ میں اس خاندان کی حکومت
فوت ہو چکا ہے تو اس نے اپنی سابقہ ہزیمت کم و بیش تین سو سال تک رہی ہے۔
کو مٹانے کی غرض سے ایک لشکر جرار کے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ راجپوتوں کے
ساتھ غزنی پر چڑھائی کر دی لیکن سلطان محمود دو بڑے مشہور خاندان سورج بنس اور
سے بھی شکست کھائی اور تاوان جنگ کی چندر بنس تھے۔ سری رام چندر جی مہاراج
ادائیگی اور اطاعت گزاری کے وعدہ پر کے کئی لڑکے تھے راجا ونیشا ترک سکونت
خلاصی پائی۔ مگر لاہور پہنچ کر جے پال کو کر کے کابل آگیا اور اس کے لڑکے بجد
اس قدر ندامت محسوس ہوئی کہ اپنے بیٹے نے یہاں پر حکومت قائم کرلی راجا بجد
انند پال کو ولی عہد مقرر کرکے خود زندہ جل کی ساتویں پشت میں راجا گج پشت تھا۔

جس نے گجنی پور (موجودہ غزنی) کا شہر آباد
کیا۔ اور گرد و نواح کا مزید علاقہ فتح کرکے
گجنی یا غزنی کی حکومت کی بنیاد ڈالی، ابھی
چند سال ہی گذرے تھے کہ حاکم خراسان
نے غزنی پر حملہ کرکے راجا گج کو قتل کر دیا
راجا گج کی اولاد بھاگ کر موجودہ راولپنڈی
کے مقام پر آگئی اور افغانستان کے غزنی کی
یاد میں ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام گجنی پور
رکھا۔ راجا سنگھ پسر گج نے راولپنڈی سابقہ
گجنی پور میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرکے اس کا
نام راول رکھا۔ اس وقت راجپوتوں کا ستارہ
عروج پر تھا اور ان کے مختلف قبیلوں کی
حکومت شمالی ہند کے دور دراز علاقوں تک
پہنچ گئی لیکن بمصداق ہر کمالے را زوالے
جنجوعوں کو بھی زوال نے آلیا تو ان کے محروسہ
علاقے سوڈھوں جودھوں اور نارو قبیلوں نے
چھین لیئے تو یہ لوگ بھاگ کر علاقہ کوہستان
نمک اور خطہ کشمیر میں آگئے اور گجنی پور کو اپنا
پایہ تخت بنایا۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا
کہ ان کو انڈو سیتھین اقوام نے شکست
دے کر بیکانیر کی طرف دھکیل دیا وہاں
سے ان کو قبیلہ راٹھ نے مار بھگایا لیکن
ان میں سے ایک سردار جس کا نام راجا کیہر تھا
نے ستلج کا علاقہ فتح کر لیا۔ اور تنوٹ کا شہر
بسایا۔ راجا کیہر کے دو لڑکے دیو راج اور
ملند راج تھے راجا دیو راج نے راول اور
راجا ملند راج نے پال کے القابات اختیار
کئے۔ راجا ملند پال کے ایک لڑکے راجا
بہوتی پال نے حملہ کرکے غزنی کا علاقہ فتح
کر لیا۔ جب کہ اس کے دوسرے لڑکے جکیتو پال

نے قنوج کے راجا کے ہاں ملازمت اختیار کرلی۔
چکنو پال کے لڑکے دھرم پال نے قنوج کے راجا یُش ورمن کے قاتل ناگ بھٹ ثانی کو قتل کر دیا۔ راجہ دھرم پال پر راجہ ہرش نے حملہ کر دیا کیونکہ ناگ بھٹ اس کا حلیف تھا دھرم پال شکست کھا کر متھرا چلا گیا۔ پرتھا د قبیلہ سے راجا گھینگر پال تھا جس نے تیسری بار افغانستان میں جنجوعوں کی حکومت قائم کی تھی راجا گھینگر کی اولاد میں سے راجا جے پال اور انند پال تھے جن کے امیر سبکتگین اور سلطان محمود غزنوی سے معرکے ہوئے تھے اور یہی وہ راجپوت تھے جنہیں عرب مورخ اپنی کتابوں میں ترک شاہیہ اور ہندو شاہیہ کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ موخرالذکر کی حکومت وادی کابل، گندھارا اور لاہور پر ۸۴۳ سے ۱۰۲۶ء تک رہ چکی ہے اس موقعہ پر سلطان محمود غزنوی کا مختصر سا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔
سلطان محمود ۹۷۱ء میں غزنی میں پیدا ہوا۔ یہ سلطان امیر سبکتگین کا بڑا لڑکا تھا نو عمری ہی میں یہ انتہائی بہادر اور اولوالعزم تھا سات ہی سال کا تھا کہ امیر نے اسے اپنی عدم موجودگی میں غزنی کا حکمران مقرر کیا۔ اور اس نے اپنے فرائض کو اس عمدگی سے سرانجام دیا کہ امراء اور وزراء اسکی غیر معمولی ذہانت کے معترف ہوگئے چودہ سال کی عمر کے بعد جس قدر لڑائیاں لڑی گئیں ان میں محمود نے ضرور حصہ لیا باپ کی زندگی میں نیشاپور کو فتح کیا اور خراسان کا گورنر رہا۔ امیر سبکتگین کی وفات کے بعد مختصر سی جنگ جانشینی کے اس نے غزنی پر قبضہ کرایا محمود نے غزنی کی چھوٹی سی ریاست کو وسعت دے کر ایک عظیم الشان مملکت میں بدل دیا ہندوستان ترکستان اور ایران کے مختلف حکمرانوں کو شکستیں دیں عباسی خلیفہ بغداد نے اسے یمین الدولہ اور امین الملک کا خطاب دیا۔ محمود نے ہندوستان کے بعض علاقوں کے علاوہ بخارا سمرقند کاشغر اور خوارزم کو بھی فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔
غزنی افغانستان کے ایک پہاڑی علاقہ میں کابل سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر جنوب کی جانب واقع ہے دسویں صدی عیسوی میں خراسان اور بلخ پر سامانی خاندان نے خود مختاری حاصل کرلی۔ ان دنوں افغانستان پر بھٹی راجپوتوں کی حکومت تھی۔ لہذا سامانیوں نے بھٹی راجپوتوں سے علاقہ غزنی چھین کر اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔
غزنی کی خود مختار ریاست کی داغ بیل ۹۶۳ء میں الپتگین نے ڈالی تھی جو خود سامانی حکمران کا غلام تھا۔ الپتگین نے چودہ سال حکومت کی اور ۹۷۶ء میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا غلام اور داماد سبکتگین تخت پر بیٹھا برسرِ تخت آنے کے بعد پنجاب کے ہندو شاہی خاندان کے بھٹی راجپوت حکمران جے پال جنہیں راجگان کابل، راجگان ویہند، راجگان نندنہ اور راجگان لاہور بھی کہا جاتا ہے سے دو لڑائیاں لڑیں۔ جے پال کی امیر سبکتگین سے جنگ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جے پال بھی افغانستان کو اپنے باپ دادوں کا علاقہ سمجھتا تھا اور اس کا باپ بھیم پال غزنی خاندان کے عروج کے باعث کابل سے بھاگ کر پنجاب آگیا تھا اور اس نے دریائے سندھ کے کنارے ویہند کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا کابل چھوڑنے کے بعد اس نے ملتان، کشمیر، سیالکوٹ اور کانگڑہ کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں ملا لیا تھا۔ مگر جب جے پال حکمران بنا تو اس نے ویہند کی بجائے لاہور کو پایہ تخت بنالیا تھا۔ جب جے پال نے لاہور میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تو اس نے افغانستان کو حاصل کرنے کی ٹھانی۔
سلطان غزنوی کا عروج جے پال کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اس نے تھانیسر، قنوج، گوالیار اور کالنجر کے ہندو راجوں سے مدد طلب کی اور یہ بہانہ بنایا کہ علاقہ لمغان (موجودہ جلال آباد) جو پشاور اور کابل کے درمیان ہے اس کی سلطنت کا ایک حصہ ہے لہذا یہ علاقہ اس کے حوالے کیا جائے سبکتگین کے جواب کا انتظار کئے بغیر ۹۸۶ء میں جے پال نے لمغان پر فوج کشی کر دی۔ جے پال کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور بھاری تاوان ادا کرنے کے وعدے کے بعد واپس لاہور لوٹ آیا۔ لیکن برہمنوں کے اکسانے پر وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا اور امیر سبکتگین کے آدمیوں کو جو تاوان لینے آئے تھے انہیں قید کر لیا۔ امیر نے وعدہ خلافی کی سزا دینے اور اپنے آدمیوں کی رہائی کے لیے منصوبہ بندی کی اور پشاور کی طرف لاؤ لشکر سمیت چل پڑا۔ یہ پہلا مسلمان امیر تھا جس نے درہ خیبر کے راستے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔
تو انند پال نے لاہور پر دوبارہ قبضہ کر لیا ۱۰۰۸ء میں سکھپال باغی ہوگیا سلطان کو جب اس غداری کا علم ہوا تو آندھی کی طرح آکر اس کو شکست دی اور اسے اپنے ساتھ غزنی لے گیا وہاں وہ مسلمان ہوگیا ۱۰۱۰ء میں جب ملتان کو قرامطیوں سے

پاک کر دیا تو سکھپال نواسہ شاہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے خود غزنی لوٹ آیا لیکن نواسہ شاہ نہ صرف مرتد ہو گیا بلکہ علم بغاوت بھی بلند کر دیا اس پر سلطان نے اس پر چڑھائی کر کے اسے کیفر کردار تک پہنچایا ۱۰۰۸ء میں راجہ انند پال نے "ہندوستان بچاؤ" کا نعرہ بلند کر کے اجین، کالنجر قنوج دہلی، اجمیر اور گوالیار کے راجاؤں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے غزنی پر حملہ کرنے کے لیے کوچ کا حکم دے دیا علاقہ چھچھ میں حضرو کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا گھمسان کی جنگ ہوئی اور انند پال کو شکست فاش ہوئی انند پال اس شکست کے بعد زندہ جل مرا لیکن سلطان محمود نے انند پال کے لڑکے ترلوچن پال کو پنجاب کا باجگزار حکمران رہنے دیا اس فتح اور دریا دلی کے زیر اثر بہت سے ہندو حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

چونکہ لاہور کے اکثر راجا شکست کھانے کے بعد میں کشمیر میں پناہ حاصل کر لیتے تھے اور پھر وہاں سے طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے تھے لہٰذا سلطان نے اس سازش کے اڈے کو ختم کرنے کے لیے حملے کا پروگرام بنایا لیکن فوری وجہ یہ ہوئی کہ ٹلہ بالناتھ کے پہاڑ میں نندنہ یا نندنہ نامی قلعہ کے حاکم راجا جے پال کے دو سگے بیٹے سروجپال نے اس قلعہ کی نئے سرے سے مورچہ بندی کر کے اسے نہایت مضبوط اور مستحکم بنا لیا تھا لہٰذا جب سلطان ۱۰۱۳ء میں کشمیر پر حملہ کے لیے جا رہا تھا تو سروجپال نے اسلامی لشکر پر حملہ کر کے نقصان تو بہت پہنچایا مگر شکست کھائی اور پھر کشمیر بھاگ گیا اور قلعہ لوہ کوٹ یا لوہر کوٹ میں بے پناہ گزین ہو گیا سلطان نے اسے سزا دینے کے لیے فوری حملہ کر دیا لیکن برفباری اور خراب موسم کے باعث ہندوستان میں واحد ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

راجگان نندنہ کی بار بار کی وعدہ خلافیوں سے تنگ آکر محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت کا حصہ بنانے کی ٹھانی اس وقت ترلوچن پال کا لڑکا بھیم پال کا راجہ تھا محمود نے اس پر حملہ کیا اور بھیم پال شکست کھا کر اجمیر بھاگ گیا اور چند سال بعد ہی مر گیا اس فتح کے بعد (۱۰۲۱ء میں) پنجاب کا الحاق غزنی سے ہو گیا اور پنجاب پر محمود کی اولاد تقریباً ۱۵۰ سال تک حکمرانی کرتی رہی سلطان محمود کے بار بار کے حملوں سے جہاں شمالی ہند کے علاقوں میں بے پناہ مالی و جانی نقصان ہوا وہاں اسلامی حکمرانوں کی شجاعت فراخدلی اور انصاف پروری کی بدولت سرزمین ہندوستان روحانی دولت سے مالا مال ہو گئی اور ظلمت کدہ ہند نور اسلام سے جگمگا اٹھی۔

اس مرحلہ پر ایک نقطہ کی وضاحت ضروری ہے "تاریخ پوٹھوہار" کے مصنف کا اعادہ ہے کہ راجگان وہند لاہور اور نندنہ جنہوں نے امیر سبکتگین اور سلطان محمود سے معرکہ آرائی کی وہ بھٹی راجپوت تھے جنجوعہ نہیں تھے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کسی غیر معروف شجرہ نویس کے مرتبہ شجرہ ہائے نسب پر تکیہ کر کے انند پال جے پال وغیرہ کو راجپوتوں کی بھٹی شاخ کے افراد قرار دیتا ہے جبکہ پشاور یونیورسٹی کے ڈاکٹر عبدالرحمان اپنی تحقیقی انگریزی کتاب میں ہندو شاہیہ کے زیر عنوان بتاتے ہیں کہ مسعودی کے بیان کے مطابق قندھار (گندھارا) جو سندھ اور اسکے پہاڑوں کا بادشاہ ہے بقول اسکے صحیح پکارا جاتا ہے یہ نام اس ملک کے تمام حکمرانوں کے لیے مشترکہ ہے قندھار (گندھارا) راجپوتوں (راجپوتوں) کا ملک ہے ایلیٹ اور کننگھم کی بھی یہی رائے ہے کہ ان کا تعلق جنجوعوں سے ہے جو کوہستان نمک مشہور قبیلہ ہے ان جنجوعہ چینی ماخذوں کے "جوان جوان" سے بھی ہے جو دوس کے گھاس کے مشرقی میدانوں کے حصول سے لے کر مشرق میں چین کی سرحد سے بھی ہے چینی ترکستان میں تو زبان تک پر حکومت کرتے تھے ۵۵۲ء کے قریب ترکوں نے جنجوعہ سلطنت کو تباہ کر دیا اپنے وہاں سے بھگا دیئے جانے کے بعد یہ آہستہ آہستہ کوہستان نمک گھستے آئے اور جدید دور کے جنجوعوں کے آباؤ اجداد بن گئے محمد رشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ گندھارا کے مشہور ہندو شاہیہ حکمرانوں کے نام سمند کمالو، بھیم جے پال، انند پال ترلوچن پال ہی بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ انہوں نے لاہور تحصیل صوابی اور ہنڈ (ودیہنڈ) کے مراکز سے ۸۴۳ء سے ۱۰۲۱ء تک حکمرانی کی ڈاکٹر عبدالرحمن کے مطابق ان ہندو شاہیہ حکمرانوں کی ترتیب یوں ہے کمالو (۹۰۳-۹۲۱ء) جے پال (۹۶۴-۱۰۰۲ء) انند پال (۱۰۰۲-۱۰۱۰ء) ترلوچن پال (۱۰۱۰-۱۰۲۱ء) اور بھیم پال ٹلر (۱۰۲۱-۱۰۲۶ء) کرنل جے ایم والیکلی پنجابی مسلمانز میں سلطان محمود غزنوی کے حریفوں کا حسب و نسب راجپوت جنجوعہ ہی بتاتا ہے آر۔ ایم۔ اے منہاس تاریخ راجپوتاں صفحہ ۲۵۹ زیر عنوان شجرہ نسب چند رنبسی خاندان شاخ بھٹی نہ تو ہندو شاہیہ کے بانی کلر کا ذکر کرتا ہے اور نہ جے پال کے دادا اسا ستارلیو یا کمالو کا ذکر کرتا ہے سر لیپل، گریفن، تذکرہ رؤسائے پنجاب میں سلطان محمود کی کوہستان

نمک میں آمد کے وقت جنجوعوں کی یہاں موجودگی
کا معترف ہے اور کہتا ہے کہ قلعہ ملوٹ جنجوعوں
کے ایک جدامجد کا تعمیر کردہ ہے اور اس کا
سن تعمیر ۹۸۰ رہا ہے بابر بادشاہ جب ۱۵۲۶ء
میں کوہستان نمک میں آیا تو اس وقت مقامی
حکمران جنجوعہ ہی تھے۔
دریائے سندھ کے اس پار علاقہ تناول
یا ترنول بقول مصنف تاریخ ہزارہ، درانیوں
(۱۷۷۴-۱۸۱۶ء) سے پہلے ہزارہ قدیم یعنے

ولایت پکھلی میں تناولی موجود تھے انگریز مصنفین
نے بالاتفاق تنولیوں کو ہندی الاصل باشندے
قرار دیا ہے اور وہ ان کا اصل وطن ضلع مردان
کا علاقہ مہابن قرار دیتے ہیں جو ہنڈ اور لاہور
کے قریب ہے جسے ایم وائسلی بتاتا ہے کہ ہندو
شاہیہ گندھارا کے راجا جے پال کے خاندان میں سے
ایک معتبر حکمران راجہ مل تھا اسے محمود کے حملے
میں شکست ہوئی گرفتار ہوا اور مسلمان ہوگیا

اس کی اولاد جنجوعہ مشہور ہوئی راجہ مل مذکور
کے چھ بیٹیوں میں سے ایک بیٹے کا نام ترنولی
تھا اور اسی کی اولاد تحصیل کہوٹہ آزاد کشمیر
وغیرہ کے جنجوعہ ہیں آج تک نندنہ باغانوالہ
دارالپور، مکھیالہ، کسک، ملوٹ، ڈھلوال اور
ڈنڈوٹ میں جنجوعے موجود ہیں اندریں حالات
راجگان نندنہ کو جنجوعہ کی بجائے بھٹی قرار دینا
ایک تاریخی مغالطہ ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔



قلعہ نندنہ، محل وقوع اور اہمیت

(تحریر: و۔ ب۔ ل)

جس دور میں شمالی مغربی سرحد پر واقع دروں سے گذر کر حملہ آور برصغیر ہند پر حملے کیا کرتے تھے اس وقت دریائے سندھ اور سلسلہ کوہستان نمک فوجی نقطہ نگاہ سے دو زبردست قدرتی رکاوٹیں تصور ہوتی ہیں دریائے سندھ کے کنارے قدیم باغ نیلاب (موجودہ کالا باغ) کی پہلی گذرگاہ کے دفاع اور تحفظ کے لیے قلعہ ڈھنکوٹ (دینکوٹ) پہلی دفاعی لائن کا کام کرتا تھا اس کے بعد سلسلہ کوہستان نمک جو کالا باغ ڈیم سے جہلم تک طویل ہے دوسری دفاع لائن اور اس دفاعی لائن کو مضبوط بنانے کے لیے اس کے پہاڑ پہلوؤں میں اور چوٹیوں پر متعدد قلعے تعمیر کیے گئے جن میں سے کمر قند ملوٹ، مکھیالہ، کسک، نندنہ اور رہتاس خاص اہمیت کے حامل ہیں ان قلعوں نے ہماری قدیم تاریخ کے بنانے بگاڑنے میں نہ صرف اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ ہماری عسکری ثقافت کے ارتقا کے مطالعہ کے ضمن میں بھی یہ بڑے مدد معاون ثابت ہو سکتے ہیں آج کی صحبت میں ہم جس قلعہ کے محل وقوع اور اہمیت پر گفتگو کر رہے ہیں اس کا نام قلعہ نندنہ ہے تاریخی کتابوں میں اس کے کئی اور نام بھی ملتے ہیں مثلاً "نندونہ، نندکور ناروین، نازین وغیرہ۔

محل وقوع!

چوآسیدن سے بجانب مشرق ۱۶ میل کے فاصلے پر اوپر موضع آڑہ اور نیچے موضع بانوالہ کے درمیان بیرونی سلسلہ کوہستان نمک ایک نمایاں گھاٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے پہاڑیوں میں سے گذرنے والی سڑک عموماً پتھریلی پہاڑی کے پہلو سے بل کھاتی گذرتی ہے یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں اس پہاڑی پر طاقت قابض اس گذرگاہ کی مکمل نگہبانی اور اس پر پورا کنٹرول کر سکتی تھی جو ان پہاڑیوں میں سے گذرتی تھی ایسی جگہ پر وسیع آثار قدیمہ کی موجودگی کسی حیرانی کا باعث نہیں ہو سکتی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر کبھی ایک مندر ایک قلعہ اور ایک گاؤں ہوا کرتا تھا جن میں سے اب زیادہ کچھ نہیں رہا مندر تو کھنڈر بن چکا ہے لیکن ابھی اتنا کچھ ضرور باقی بچا ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دو منزلہ عمارت تھی اور بالائی منزل تک پہنچنے کے لیے چنلی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ نندنہ کا یہ مندر کوہستان نمک میں موجود دوسرے قدیمی مندروں کی طرح طرز تعمیر میں اسی کشمیری سٹائل کا ہی ہے اور ایک بہت ہی قدیم پلیٹ فارم جو بذات خود مندر سے بھی بہت قدیم ہے پر کھڑا ہے اس مندر کی ایک نمایاں ترین خصوصیت ہے جو اضلاع میں جہلم و چکوال موجود کسی دوسرے مندر میں نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس کا رخ مشرق کی بجائے مغرب کی طرف ہے اور بیکسر کے قریب اب کے بڑے مندر سے ملتا جلتا ہے جہاں تک قلعہ کا تعلق ہے اس کے دو نیم گول برج پہاڑی کے جنوبی رخ پر ابھی تک کھڑے ہیں جن کے ساتھ تراشے ہوئے مستطیل پتھروں کی مضبوط ڈھلوانی دیواریں بھی موجود ہیں گاؤں ایسے ہی بنایا گیا تھا جیسے آج کل بنائے جاتے ہیں مکانات گارے اور پتھروں سے بنائے گئے تھے چونا گچ کا استعمال نہایت استثنائی حالات میں کیا جاتا تھا کسی متاخر زمانے میں مندر کے نزدیک ہی ایک مسجد کا بھی اضافہ کر دیا گیا اور یہ بھی اب کھنڈر بن چکی ہے اس کے صحن میں اس عہد سے متعلق ایک کتبہ کا ٹکڑا بھی ہے جو اتنا دھندلا چکا ہے کہ پڑھا نہیں جا سکتا (یہ سب کچھ ۱۸۸۴ کی روئداد ہے) اس قلعہ نندنہ کا تذکرہ ان تمام تاریخی کتابوں میں موجود ہے جو سلطان محمود غزنوی کے عہد کے حالات و واقعات سے بھری پڑی ہیں یہ ایک ایسا قلعہ ہے جس کی طرف تا حال زیادہ توجہ مبذول نہیں کی گئی ہے فرشتہ ہمیں بتاتا ہے کہ ۴۰۴ھ میں سلطان محمود نے اس وقت اس

قلعہ نندنہ واقع کوہ بالناتھ پر چڑھائی کی جب انند پال کا بیٹا جے پال لاہور کا حکمران تھا قلعہ محمود کے حوالے کیا گیا اس نے وہاں پر اپنا ایک معتمد ساروغ یا ساریغ کو حاکم بنا دیا اور خود جے پال کے تعاقب میں کشمیر روانہ ہو گیا جہاں پر وہ پناہ گزین ہو گیا تھا طبقات اکبری میں بھی اسی کہانی کو دوہرایا گیا ہے کہ دوبارہ سنہ ۴۱۰ھ میں سلطان محمود راجہ نندنہ اور راجہ جے پال کے خلاف معرکہ آرا ہوا اور یہیں انہیں شکست دی نام کی شناخت اور کتب تواریخ میں بیان کردہ پہاڑیوں کے موقع محل کی تطبیق و توافق سے کوئی شک نہیں رہتا کہ محولہ بالا قلعہ وہی ہے جو موضع باغانوالہ کے اوپر ہے قلعہ نندنہ کا ذکر مابعد کی تاریخی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے تیرہویں صدی کے ابتدائی دنوں میں اس پر قمرالدین کرمانی کا قبضہ تھا جسے جلال الدین خوارزمی کے ایک جرنیل نے بیدخل کر دیا تھا لیکن بعد میں جب دریائے سندھ کے کنارے ۱۲۲۵ء میں اسے چنگیز خان کے ہاتھوں شکست ہوئی تو چنگیز کے ایک افسر طرطی متعل نے اس پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا اس پر قبضہ کر لیا سلطان التمش (۱۲۱۱-۱۲۳۶ء) کے مقامات مفتوحہ کی فہرست میں آتا ہے۔

قلعہ نندنہ کے محل وقوع کی اتنی صراحت کے باوجود زمانہ حال کے بعض مورخ و مصنف ابھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ نندنہ کا محل وقوع بالناتھ کے پہاڑ (ٹلہ جوگیاں) کے قریب بلکہ یہاں سے میلوں دور بجانب شمال جنوب علاقہ کشمیر دیپ ٹھوہار میں ہے آئیے ذرا ان دعوؤں پر بھی کچھ غور و فکر کر لیں راجہ محمد عارف منہاس تاریخ پونچھ ہار ۱۹۶۳ء ۱۵۸ ا پر لکھتے ہیں۔

"محمود کے زمانہ میں سندھ پار کے تمام علاقے کو ایک صوبہ قرار دیا گیا تھا اور اس صوبہ کا صدر مقام پشاور تھا بھٹی راجپوتوں نے پشاور سے نکلنے کے بعد نندنہ یا نندوبہ بعض کتب میں نندکور لکھا ہوا ہے کو اپنا دفاعی مورچہ بنایا اور اپنی تمام فوج یہاں اکٹھی کر لی نندنہ یا نندکور کے متعلق اکثر مورخین ایسے مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں سید ہاشمی فرید آبادی صاحب نے نندنہ کو خوشاب کے قریب بتایا ایک اور صاحب نے نندکور کو بھٹیوں کا دفاعی قلعہ بنایا ہے

اسی طرح بعض کتب میں رتہاس سے دینہ تک کے درمیانی علاقہ کو نندنہ کا علاقہ بتایا ہے ایک کتاب میں نندنہ کے قلعہ کی نشاندہی دریائے پونچھ اور دریائے جہلم کے سنگم پر کی گئی ہے یہ مختلف کتب کا مطالعہ اور اپنی تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نندنہ چوک پنڈوری ضلع راولپنڈی میں ہے نندنہ کا گاؤں اس وقت بھی موجود ہے اور اس قلعہ کے نشانات اب بھی باقی ہیں اگرچہ اعتداد زمانہ کے باعث وہاں ایک کھائی سی بن گئی ہے اور ارد گرد کی زمین کٹاؤ کے باعث بہہ گئی ہے تاہم قلعہ کے کہیں نہ کہیں نشانات

سومنات کی فتح اور سومنات کے بہت بڑے بت کو توڑنا سلطان محمود غزنوی کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کارنامے کی بدولت ہی اسے بت شکن کے لقب سے دائمی شہرت حاصل ہوئی۔

روایت ہے کہ جب سومنات فتح ہو گیا تو سلطان محمود غزنوی سومنات کے سب سے بڑے مندر کے اندر داخل ہوا جس میں ہندوؤں کا سب سے بڑا دیوتا بت کی صورت میں پوجا جاتا تھا۔

سومنات کے بت کو معجزوں کا دیوتا کہا جاتا اور اسے ناقابلِ شکست بھی تسلیم کیا گیا تھا۔

سومنات کے مندر میں یہ سب سے بڑا دیوتا اور بت مندر میں معلق رہتا تھا۔ مندر کے بڑے کمرے میں اس انداز میں معلق دیکھ کر ہر شخص اس کی برتری تسلیم کر لیتا۔ اور جو برتری تسلیم نہ کرتا وہ بھی ایک بار تو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ یہ گرانڈیل بت اس طرح کسی زنجیر کسی نظر نہ آنے والے سہارے کے بغیر آخر کس طرح فضا میں معلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے فضا میں معلق ہونے کا کرشمہ دکھا کر ہی لوگوں کے دلوں میں اس بت کی ہیبت اور عظمت کا سکہ بٹھایا گیا تھا۔

بہرحال جب سومنات فتح ہو چکا تو سلطان محمود غزنوی بڑے بت کو دیکھنے کے لیے مندر کے اندر گیا۔ روایت ہے کہ اس کے ساتھ البیرونی بھی تھا۔

گرانڈیل وزنی بت کو اس طرح بغیر کسی سہارے کے فضا میں معلق دیکھ کر سلطان محمود غزنوی بھی چکرا گیا۔ اس نے البیرونی سے پوچھا:

"یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ اس طرح فضا میں کیسے معلق ہے؟"

البیرونی نے چند ثانیے غور کیا پھر ادب سے بولا:

"سلطانِ معظم! اس مندر کی چھت کے اس طرف سے چند اینٹیں نکلوا دی جائیں۔"

سلطان نے حکم دیا اور اس کی فوراً تعمیل کی گئی۔

جب چھت سے البیرونی کی بتائی ہوئی جگہ سے کچھ اینٹیں نکالی گئیں تو سومنات کا فضا میں معلق بت یکدم ایک طرف جھک گیا..... اور زمین کے قریب تر آ گیا۔

البیرونی نے ادب سے وضاحت کی:

"سلطانِ معظم! یہ ان ہندو پروہتوں کی چالبازی ہے یہ بت لوہے کا بنوایا گیا ہے..... مندر کی چھت پر مخصوص جگہ بڑے بڑے مقناطیس نصب کیے گئے ہیں۔ یہ مقناطیس اپنی طرف لوہے کے بت کو کھینچے رہتے ہیں اور یوں بت معلق رہتا ہے۔ چونکہ یہ بڑے بڑے مقناطیس مضبوطی سے نصب کیے گئے ہیں۔ ایک جگہ سے ہلتے نہیں ہیں اسی لیے بت بھی ایک ہی جگہ فضا میں معلق رہتا ہے۔"

جب مندر کی چھت اکھاڑی گئی۔ اینٹوں کا معاینہ کیا گیا تو البیرونی کا تجزیہ سو فیصد صحیح نکلا اور سلطان محمود غزنوی اس کی علمیت کا دل سے قائل ہو گیا۔

موجود ہیں۔ تندنہ کے قلعہ کو انند پال (۱۰۰۲ ـ ۱۰۱۰ء) نے تعمیر کروایا تھا۔ اس کے نام کے باعث اس قلعہ اور آبادی کا نام تندنہ پڑ گیا ہے محمود نے ابتدائی سات آٹھ سال بھٹی راجپوتوں کی طرف کوئی توجہ خاص نہ دی مگر جب انند پال کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو اس نے ان کی طرف توجہ دی انند پال نے دیگر ہندی، راجاؤں سے مدد طلب کی اس جنگ کے لئے اس قدر جوش و خروش تھا کہ عورتوں نے اپنے زیور تک بیچ کر جنگ کی تیاری میں حصہ لیا دونوں فوجوں کا مقابلہ حسن ابدال کے قریب حضرو میں پیش آیا اس جنگ میں انند پال نے ہاتھیوں کی فوج کو بھی استعمال کیا مگر یہی ہاتھی انند پال کی شکست کا سبب بنے انند پال بھاگ کر دان گلی کے پہاڑوں میں پناہ گزین ہوا اور دوبارہ ہندوستان نہ آیا

اس کے بعد اس کا بیٹا ترلوچن پال (۱۰۱۰ ـ ۱۰۲۱ء) تخت نشین ہوا۔ اس کے قلعہ نندنہ کو اور بھی مستحکم کیا اور اپنا دفاعی مورچہ دان گلی کے قلعہ کو بنایا اس علاقے سے تمام آبادی کو دان گلی کے شہر جو سالگران سے لیکر دان گلی تک پندرہ میل کے رقبہ پر پھیلا ہوا تھا، منتقل کر دیا محمود نے اس قلعہ کو ختم کرنے کا سوچا اور تندنہ کے قلعہ پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کیا ان دنوں روات سے لیکر بھنس یا پونچھ تک کا علاقہ ترلوچن کے بیٹے بھیم پال (۱۰۲۱ ـ ۱۰۲۶ء) کے ماتحت تھا بھیم پال اس حد تک خود سر اور بہادر تھا کہ اسے نڈر بھیم پال کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لہذا جب محمود حملہ آور ہوا تو بھیم پال نے کمانڈر سارک کو مقابلہ کے لئے بھیجا خود بھیم پال قلعہ دان گلی میں مقیم رہا سارک نندنہ کے قلعہ سے محصور ہو گیا مگر کچھ عرصہ بعد شکست کھائی اور دانگلی بھاگ گیا سارک کی شکست کے بعد بھیم پال ایک زبردست فوج اور پانچ سو ہاتھی لے کر مقابلہ میں آیا مگر شکست کھائی اور قلعہ دان گلی میں محصور ہو گیا قلعہ دان گلی دفاعی نقطہ نظر سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا وہ زمین سے تقریباً دو ہزار فٹ کی اونچائی پر ایک پہاڑی پر بنا ہوا تھا مگر لشکر اسلام نے اس ناقابل تسخیر قلعہ کو بھی فتح کر لیا اس طرح ۱۰۱۳/۱۴ء میں یہ علاقہ مکمل طور پر محمود کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۱

اس کے بعد مصنف موصوف نے جناب اقبال صلاح الدین اور جناب رفیع اللہ خاں و صاحبزادہ عبدالرسول صاحبان، جناب سید ہاشمی فرید آبادی اور سید محمود آزاد صاحب کی کتابوں کے اقتباسات دیکر اپنا تحقیقی نقطہ نظر یوں واضح کیا ہے۔

"کہ اس زمانے میں نندنا یا نندونہ کا قلعہ اور آبادی دان گلی کے علاقے میں تھی جنگیں بھی یہاں لڑی گئیں اور یہ کھنڈرات اور باقیات جو سالگران سے دانگلی تک پھیلے ہوئے ہیں وہ بھی راجپوتوں کا علاقہ تھا جس کو دلیپند کے بعد انہوں نے اپنا پایہ تخت بنایا تھا یہیں انند پال، ترلوچن پال اور بھیم پال برسراقتدار رہے اور یہاں سے ہر بار شکست کھانے کے بعد کشمیر بھاگ جاتے رہے"

گویا جناب عارف منہاس صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ قلعہ نندنا یا نندونہ کا محل وقوع کوہستان نمک یعنی ضلع جہلم میں نہیں بلکہ دانگلی ضلع راولپنڈی میں ہے حالانکہ فرشتہ واضح طور پر بتا چکا ہے کہ زیر بحث قلعہ نندنہ کا محل وقوع کوہستان بالناتھ (موجودہ ٹلہ جوگیاں) میں ہے جو واضح طور پر ضلع جہلم میں واقع ہے دانگلی یا محلات مائی منگو کا ذکر سلطان محمود غزنوی کے عہد کے بارے میں لکھی گئی کسی تحریر یا تاریخی کتاب میں نہیں ملتا حال ہی میں ڈاکٹر عبدالرحمان کی تحقیقی کتاب انگریزی میں

The Last Two Dynasties of the Shahis

شائع ہوئی ہے اس میں بھی قلعہ نندنہ یا نندونہ کا محل وقوع کوہستان نمک میں باغانوالہ کے معروف مقام کے قریب ہی بتایا گیا ہے ذکر ضلع راولپنڈی میں واقع دانگلی یا محلات مائی منگو میں جناب عارف منہاس نے بتایا ہے کہ قلعہ نندنہ کی تعمیر راجہ انند پال نے کی یہ دعوٰی بھی بلا دلیل ہے کیونکہ راج ترنگنی کی رو سے تندنہ کا معنی سنسکرت میں "راجا اندر کا باغ یا عشرت کدہ" ہے اور جدید موضع "باغانوالہ" نندنہ کا درست اردو ترجمہ بنتا ہے کسی مستند تاریخ میں اس قلعہ کی تعمیر کا سہرا راجہ انند پال کے سر نہیں باندھا گیا جہاں تک اس کے سن تعمیر کا تعلق ہے تو اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ عتبی اور حذر بازرقانی، نندنہ کو بطور ناردین " لکھتے ہیں۔ جبکہ رینالڈز اسے "نازین" لکھتا ہے اگر دیزی اور نظام الدین "نندنا" بتاتے ہیں / البیرونی نے بھی قانون مسعودی میں اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک پہاڑی پر واقع تھا جسے کوہ بالناتھ کہا جاتا تھا، سدا سے نندنہ کی نشاندہی اسی نندنہ سے کی جاتی رہی ہے جو کوہستان نمک میں

واقع ہے۔ ڈاکٹر سٹین نے بھی موقع ملاحظہ کیا تھا اور اس نے ۱۹۳۲ء میں اس جگہ کا ذکر جیوگرافیکل جرنل نے کر رکھا ہے

معرکہ کے عظیم بدھ (بت) کے مندر سے ایک پتھر ملا جس پر ایک کتبہ لکھا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس مندر کو چالیس ہزار سال پہلے تعمیر کیا گیا تھا سلطان انکی جہالت پر حیران رہ گیا کیونکہ ہر قوم کے علماء وحکماء اس کے خیال کے مطابق اس امر پر متفق ہیں کہ اس زمین کی عمر سات ہزار سال سے زیادہ نہیں اور قیامت کے دن کی نشانیاں ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں سلطان نے اپنے داناؤں سے اس کتبہ کا معنی پوچھا انہوں نے بیک زبان کہا کہ یہ بالکل غلط ہے اور ایک پتھر کی شہادت پر یقین نہیں کیا جا سکتا غالباً ان دانا مصاحبین میں علامہ ابوریحان محمد البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸ء) شامل نہ تھا ورنہ ایسا غیر دانشمندانہ نظریہ معرض ظہور میں نہ آتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں البیرونی جیسے محقق اور سائنسدان نے زمین کا قطر معلوم کیا تھا اور کئی دوسرے تجربے بھی کئے تھے اور یہیں پر اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الہند" مکمل کی تھی

آخر پر ہم محکمہ آثار قدیمہ کے ماہرین سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ آگے آئیں اور دانگلی یا مائی منگو کے محلات کے متعلق اپنی ماہرانہ رائے سے اہل پاکستان کو آگاہ کریں کہ قلعہ نندنا کا صحیح محل وقوع کیا ہے ؟ اور اس کا قلعہ دانگلی سے کیا تعلق ہے ؟ نیز سیکرٹری جنرل انجمن تاریخ و آثار شناسی پاکستان سے بھی گذارش ہے وہ اگلا سیمینار قلعہ دانگلی کے موضوع پر قلعہ دانگلی میں منعقد کرانے کا اعلان کریں تاکہ قضیۂ زمین برسر زمین طے کرنے میں مدد مل سکے



(ضروری نوٹ)

یہاں دو اور نکات پر روشنی ڈالنی بھی ضروری ہے جنکے بارے میں صاحب موصوف نے غلط معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ سارو نگ سلطان محمود کا کمانڈر تھا نہ کہ بھیم پال کا۔ سارو نگ یا سارنگ کو محمود نے نندنہ کا حاکم مقرر کیا تھا بھیم پال کے کمانڈر کا نام تونگا تھا۔ ملاحظہ ہو.......

دوم یہ کہ محمود کے حریف راجگان نندنہ (ویہند یا لاہور) بھٹی نہ تھے بلکہ جنجوعہ تھے جیسے ایم وائکلے اپنی کتاب پنجابی مسلمانز ۹۷ پر جے پال کو جس نے نندنہ کے مقام پر محمود کا مقابلہ کیا تھا اسے جنجوعوں کا جدامجد قرار دیتا، علاوہ ازیں آج بھی باغانوالہ دارالپور ضلع جہلم اور کھیالہ کسک اوتہ ملوٹ ضلع چکوال میں جنجوعے ہی قابض اور موجود ہیں حتیٰ کہ کوہستان نمک کا مشرقی حصّہ کوہ جودھ کہلاتا ہے ملوٹ کے راجا مل جنجوعہ کے بیٹے کا نام جودہ تھا تزک بابری کے مطابق جب بابر (۱۵۲۶ء) اس علاقے میں آیا تھا تو کوہستان نمک کا نام کوہ جودھ تھا بلاشک بھٹی بھی راجپوتوں کا ایک نامور اور ممتاز قبیلہ ہے اور جنجوعوں کے ساتھ ان کا بہت قریبی رشتہ ہے اور ان کی کثیر تعداد لاہور، ملتان، راولپنڈی گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے اضلاع میں پائی جاتی ہے لیکن کوہستان نمک میں واقع نندنہ کے گرد و نواح میں ضلع سرگودھا کی تحصیل سرگودھا اور ضلع جھنگ کی تحصیل چنیوٹ میں چناب سے شمال میں بھٹی اوڑہ" کے علاقے میں صاحب اشرور سوخ ضرور ہیں (وائکلے ۷۷) اگرچہ ان کا نمایاں تعلق بھٹیز (قدیم بھیرہ موجودہ براڑ کا) بھٹنڈہ وغیرہ سے تو ضرور رہا ہے۔ لیکن نندنہ کے راجگان بھٹی راجپوت نہ تھے بلکہ جنجوعہ راجپوت تھے۔

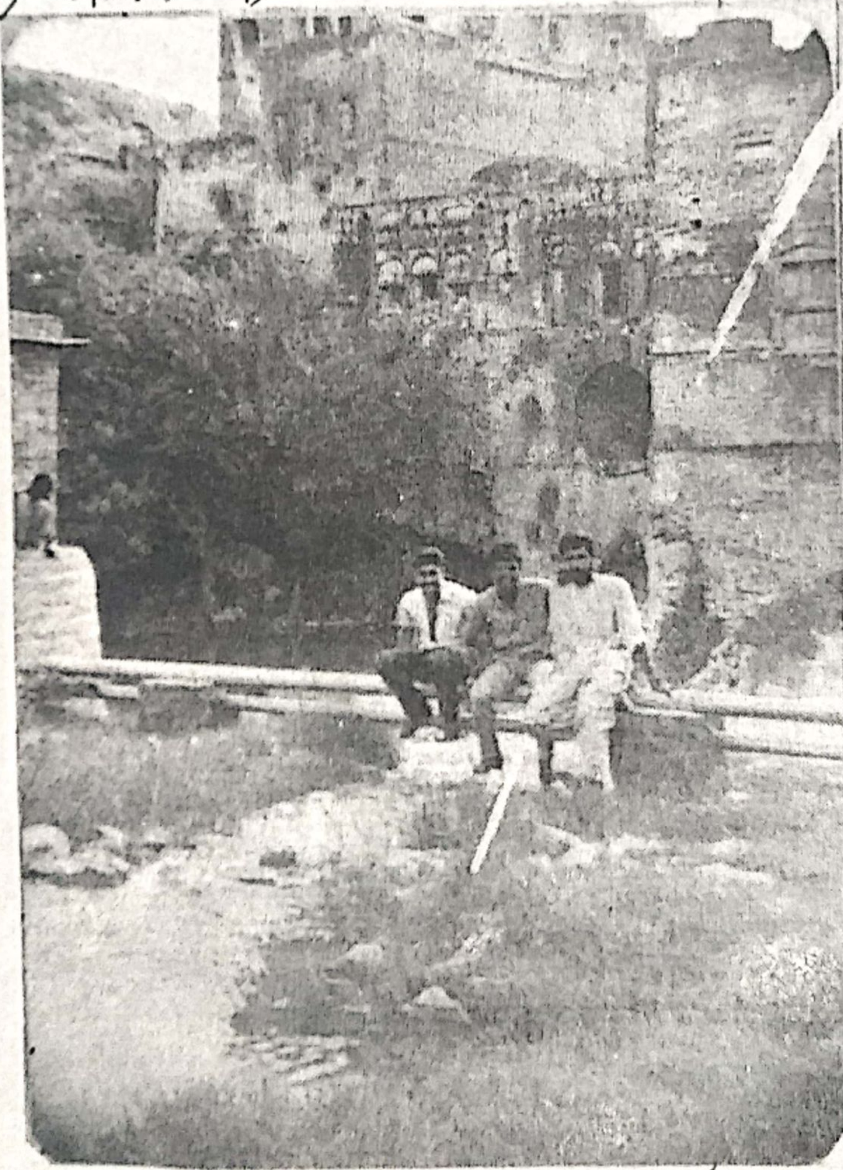
خوارزم سے کٹاس تک

علم اور تحقیق کا ایک سمندر

کرنل (ریٹائرڈ) محمد اسلم

ابو ریحان البیرونی قرون وسطیٰ کے اس دور کا جب اسلامی تہذیب علم و دانش کے اپنے عروج پر تھی۔ ایک درخشاں ستارہ ہے یہ وہ دور تھا جب مسلمان مفکر محقق سائنسدان اور فلسفی اپنے علمی کارنامہ نمایاں سے اس وقت کی دنیا کو روشن و منور کر رہے تھے البیرونی کی تحقیق و تخلیقات کی گہرائی اور وسعت کو سمجھنے کے لئے چونکہ اس دور کے علمی حلقے محدود تھے اس لئے بہت لوگوں کو اس کی کاوشوں کا پورا ادراک ہی نہ ہو سکا۔ اور بعد میں مغرب کے اکثر اہل علم اسے بو علی سینا جتنا نہیں سراہتے۔ تاہم جارج سارٹن جیسے سائنس کے مورخ کے مطابق البیرونی دنیائے اسلام کا ہی نہیں بلکہ پوری نوع انسانی کا ایک عظیم سائنسدان ہے

البیرونی کا علم اور تحقیق حیرت انگیز طور پر بے شمار مضامین پر محیط ہے جس میں تاریخ جغرافیہ طبعیات کیمسٹری فلکیات کے علاوہ کئی دوسرے مضمون پر تصنیفات شامل ہیں لیکن جس کام نے اس کی شہرت کو دوام بخشا وہ اس کی مشہور تصنیف کتاب الہند ہے جو اس نے گیارھویں صدی کے شروع میں لکھی۔ اس کتاب میں البیرونی نے ہندوستان کے معاشرے کا بڑی ہی عمیق تحقیق کے بعد بے حد مفصل اور بھرپور جائزہ پیش کیا۔ اس تحقیقی کام کا یہ کمال ہے کہ اگلے آٹھ سو سال تک کوئی دوسرا عالم ہندوستان کے معاشرے پر اس سے زیادہ جامع و مستند تصنیف تیار کر کے پیش نہ کر سکا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جدید دور کی سہولتوں اور مواد کے میسر ہونے کے باوجود ہندو معاشرے پر ..



کٹاس جہاں کسی زمانے میں سنسکرت اور دوسری زبانوں کی یونیورسٹی قائم تھی

اس قدر جامع اور بے لاگ تصنیف ابھی تک نظر نہیں آتی
البیرونی ۹۷۳ء میں خوارزم کے ایک چھوٹے
سے قصبے میں پیدا ہوا یہ علاقہ اس دور کی مختلف
تہذیبوں کے سنگم پر واقع تھا اس کے بچپن
اور حسب نسب کا زیادہ ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ
اس کا چچازاد بھائی ابو نصر منصور بن علی بن عراق علم و
ذوق رکھتا تھا اور ریاضی و ہیئت کا دلدادہ تھا
اس نے البیرونی کو اپنے سایۂ عاطفت میں
لیا اور اس کی تعلیم میں پوری پوری مدد کی چنانچہ البیرونی
استاذی کے لقب سے یاد کرتا ہے محمود غزنوی نے

کیونکہ وہ محمود غزنوی کے پاس آنا نہیں چاہتے تھے
البتہ ابن خمار اور البیرونی جانے کے لئے رضامند
ہو گئے۔ البیرونی ۱۰۱۷ء میں غزنوی پہنچا جہاں اس
نے ایک رصدگاہ تیار کی جس میں وہ مشاہدہ کر کے
فلکیات کا علم جمع کرتا اور ریاضی وغیرہ کے فارمولے
تیار کرتا اس وقت سلطان محمود نے شمالی ہند کے
بیشتر علاقے سرنگوں کر لئے تھے غزنی میں آمد کے
دو سال بعد البیرونی نے پنجاب کی راہ اختیار کی ہندوستان
ایک پرانی تہذیب کا گہوارہ رہ چکا تھا البیرونی لکھتا
ہے کہ شروع ہی سے وہ علم کا پیاسا تھا کسے

زبان کی ابتدائی تعلیم حاصل کر لی لیکن اس زبان
کی اعلیٰ تعلیم اور مہارت اس نے پنجاب پہنچ کر
حاصل کی۔ چونکہ وہ بنیادی طور پر ایک ہیئت
دان تھا۔ اس لئے جب وہ پنجاب کے شہروں
میں سنسکرت زبان اور ہندو تہذیب و تمدن جاننے
میں مصروف تھا تو وہ ہیئت کے مشاہدات بھی کرتا رہا۔
محمود نے چونکہ ۱۰۰۶ء میں ملتان میں ابو فتح داؤد
جو وہاں کا گورنر تھا کو شکست دینے سے پہلے بھیرہ
پر حملہ کیا تھا۔ اس لئے پنجاب کا یہ علاقہ جو چکوال
کے اردگرد پھیلا ہوا ہے محمود کے زیر اثر آ چکا تھا



ملوٹ کا قلعہ راج گڑھ جس کے جنوب کونے پر دو ڈبرے نظر آ رہے ہیں ان کے نیچے
جنوب کی سمت میں بھیرہ صاف نظر آتا ہے اور یہ ڈبرے بھیرہ سے صاف نظر آتے
ہیں روایت ہے کہ البیرونی نے ان کی مدد سے پیمائشیں لے کر زمین کا محیط
اور قطر وغیرہ معلوم کئے۔

جب ۱۰۱۷ء میں خوارزم کو فتح کیا تو اس نے ابو عباس
مامون سے مطالبہ کر کے البیرونی بو علی سینا، ابو سہل
مسیحی اور ابن خمار کو اس کے حوالے کرنے کا مطالبہ
کیا۔ بو علی سینا اور ابو سہل تو خوارزم سے چلے گئے

خوارزم میں ہی اہل ہند اور سنسکرت زبان سیکھنے
کا شوق پیدا ہو چکا تھا۔ اس کی غزنی میں آمد سے پہلے
وہاں بہت سے ہندو آباد ہو چکے تھے البیرونی نے
چند علم دوست ہندوؤں سے رابطہ بڑھایا اور سنسکرت

چکوال سے کوئی بیس میل جنوب کی جانب چواسیدن
شاہ سے ذرا مغرب میں ہندوؤں کا ایک نہایت متبرک
مقام کٹاس واقع ہے جہاں کسی زمانے میں ۔ زبان
دانی کی ایک یونیورسٹی بھی قائم تھی۔ ایک روایت کے
مطابق البیرونی نے سنسکرت زبان کی تعلیم حاصل کرنے

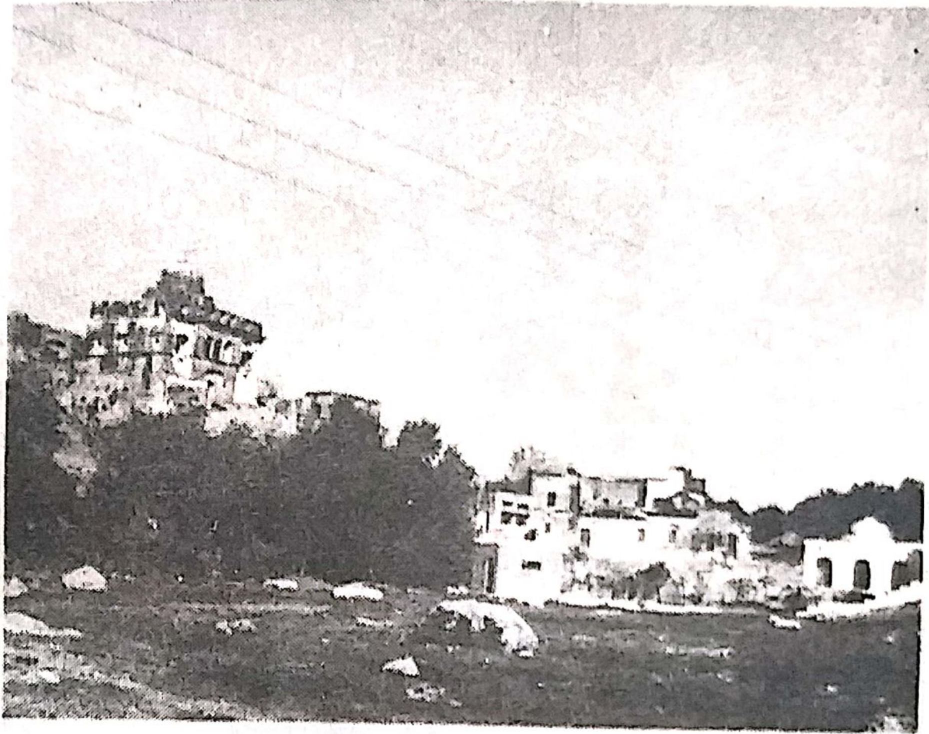
کے لئے کچھ عرصہ کٹاس میں گزارا اور چونکہ وہ ہیئت ریاضی اور فلکیات کا ماہر بھی تھا۔ تو سنسکرت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم کے ان شعبوں کا زیادہ تر عملی کام جن میں زمین کا محیط معلوم کرنے کے لئے زمین کے فاصلوں اور پہاڑ کی چوٹیوں کی بلندی اور مختلف زاویوں کی پیمائش لینی ہوتی تھیں یہیں سے کیا۔ ان پیمائشوں کے لئے اس نے ملوٹ کے نزدیک قلعہ راج گڑھ اور کٹاس کے جنوب مغرب میں واقع تلہ کی چوٹیوں کو استعمال کیا۔ میدانی علاقہ جو ان پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے وہ اس نے سطح سمندر کے طور پہ استعمال کیا اس کے لئے اس نے بھیرہ میں قیام کیا۔ جو ملوٹ کے قلعہ راج گڑھ سے جنوب میں دس میل کے ہوائی فاصلے پر واقع ہے یہاں رہ کے البیرونی نے زمین کا محیط نکالا ۲۴۷۷۸.۵ میل بنتا ہے یہ زمین کے اصلی محیط کے بالکل قریب ہے پھر اس نے پنجاب کے مختلف شہروں کا عرض بلد نکالا اس کے حساب سے لاہور کا عرض بلد ۳۲.۰ درجے تین منٹ اور ملتان کا عرض بلد ۲۹.۰ درجے بنتا ہے۔

پروفیسر حمید عسکری اپنی کتاب "نامور مسلم سائنسدان" میں رقمطراز ہے کہ البیرونی نے سنسکرت جیسی مشکل زبان سیکھ کر اس کے قدیم لٹریچر کو خود پڑھا پھر اس سے پوری مذہبی تاریخی اور تمدنی معلومات اخذ کیں اور انہیں ایک کتاب میں قلمبند کیا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اگرچہ وہ اہل ہند سے بالکل جدا مذہب رکھتا تھا لیکن اپنی کتاب میں اس نے ہندوؤں کے خیالات یا عقیدے کا کہیں مضحکہ نہیں اڑایا اور نہ ان کے مذہب کے خلاف پروپیگنڈہ ہی کیا۔ کیونکہ اس کے قول کے مطابق یہ باتیں ایک محقق کے علم کی شان سے بعید ہیں اس نے اہل ہند کی داستان اپنے قلم سے عربی زبان میں یوں بیان کر دی ہے جیسے ہندو عالم اپنی زبان میں اہل مذہب کے سامنے پیش کرتے ہیں البیرونی نے یونانی زبان بھی سیکھی وہ یونانی اہل علم کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اور لکھتا ہے کہ تحقیق میں یونانیوں کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ علم کے حصول اور سچائی کی تلاش میں تحقیق اور سائنس کو بڑی اونچی سطح پر لے گئے۔ اور یہ کہ وہ توہم پرستی کا شکار نہیں ہوئے سقراط نے توحید کی خاطر جان دے دی لیکن یہ بات اسے اہل مشرق کی تہذیب میں کم نظر آئی شاید یہی وجہ ہے کہ اہل مشرق کی اکثریت ابھی تک توہم پرستی، ذات پات اور پوجا پاٹ سے نجات حاصل نہیں کر سکی۔

بشمول سینکڑوں کتب کے جن میں مذہب فلسفہ ادب، تاریخ جغرافیہ ہیئت، قانون، رسم و رواج اور بے شمار دیگر موضوعات شامل ہیں۔ البیرونی کی علمی و تحقیقی تخلیق کا شاہکار "کتاب الہند" ہے جو اس نے اس خطے کے بڑے پر آشوب دور میں لکھی اس میں کسی کو کوئی شک نہیں کہ البیرونی کا یہ بے مثال کارنامہ تاریخ و تمدن میں ہمیشہ ایک یادگار رہے گا۔



چوآسیدن شاہ کا ایک منظر



کٹاس ــــ ایک منظر

اُجڑے دیار دیکھ کر

(جناب عزیز احمد بشری ڈیپارٹمنٹ میں استاد ہیں کئی سال پہلے کٹاس کے کھنڈرات دیکھنے گئے تو مندرجہ ذیل اشعار موزوں ہو گئے)

چہروں سے نقشِ زیست اُڑا لے گیا کوئی
دل سے متاعِ فکر چُرا لے گیا کوئی

یا تو یہ لوگ منکرِ ربِ قدیر ہیں !
یا پھر دلوں سے خوفِ خدا لے گیا کوئی !

کیا لوگ تھے کہ حرفِ غلط ہو کے مٹ گئے
کیا بستیاں تھیں جن کو بہا لے گیا کوئی

"دیا ساگر" اس دھرتی پر

تحریر: سرفراز خان

دسویں صدی کے نصف آخر میں ذہنی بلوغت اور جو علوم و فنون جنم لے رہے تھے، وہ گیارھویں صدی کے نصف اوّل میں شعوری حدود میں داخل ہونے لگے تھے اگر یہ کہا جائے کہ قرآن وسطیٰ میں یہ تفکر اور فکری بلوغت اپنے کمال کو پہنچ رہے تھے، تو بے جا نہ ہوگا، اور اس کے سرآوردہ صاحبانِ کمال لوگوں میں جن کا نام سرفہرست، فکری تاریخ میں آتا ہے۔ ان میں ابن الہیثم، البیرونی اور ابن سینا کا نام ہر جگہ نمایاں ہے اور معاصرین میں البیرونی اور ابن سینا کا نام بہت جلیل ہستیوں میں آتا ہے اور ان دونوں کا نام اپنے معاصرین میں بہت اونچا ہے اور انہی کا فیض تھا کہ اس عہد کو اس قدر برتری حاصل ہے

البیرونی بے باک اور تنقیدی مزاج رکھتا تھا اس مزاج کی مناسبت سے وہ فکری اختلافات کا ملکہ بھی رکھتا تھا۔ اور یہی اختلافات ابن سینا پر اس کی برتری کا سبب ہیں۔ ہم البیرونی کو ایک سائنسدان کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس کو ابن سینا پر اس وجہ سے بھی فوقیت حاصل ہے کہ وہ ابن سینا کا پیشرو تھا البیرونی کی تحقیقات سے اس نے استفادہ کیا اور راہنمائی حاصل کی، علمی طور پر گیارھویں صدی کو البیرونی سے تعبیر کرنا مبالغہ نہ ہوگا۔

مغربی دنیا کے لئے یہ دور کچھ زیادہ سازگار نہ تھا۔ اسلامی مفکرین کو اس دور میں مصدقہ برتری حاصل رہی ہے اس دور میں یہودی مفکرین کو غور و فکر میں جو راستہ ملا اور مقام حاصل ہوا تو یہ اسلامی مفکرین سے ہی فکری تحریک ہوئی تھی گویا کہ یہودی فلسفہ اسلامی فلاسفہ ہی کا صدائے بازگشت تھا۔ آزاد خیال یہودی وجداناً اور ذہناً ہر پہلو سے اسلامی مفکرین کے خوشہ چین تھے

البیرونی کی جو خصوصیت اس کی تمام خصوصیات پر حاوی نظر آتی ہے۔ وہ اس کا طلب علم کے ساتھ ساتھ بے تعصب ہونا بھی ہے یہ اس کی بہت بڑی خوبی تھی کہ اس نے نہ صرف ہند و فلسفہ کا بغور مطالعہ کیا بلکہ اسلام اور ہندو دنیا کے درمیان اہم رابطے کا کام سرانجام دیا۔ اگرچہ ابن سینا میں ذہانت کی فراوانی تھی لیکن وسعت قلب میں البیرونی ہی کا خاصہ تھا۔

مشرق کے علمائے ریاضی میں "الکرخی" بہت بلند ہے جبر و مقابلہ میں اس کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ اس نے نہ صرف اس سلسلہ میں مسائل حل کئے، بلکہ کئی مسئلوں کا موجد بھی تھے تمام فضائل کے باوجود وہ ہندی ارقام کے استعمال سے پرہیز کرتا تھا نہایت اہتمام سے کوئی عدد استعمال نہیں کیا اس کے طرز عمل سے لگتا ہے کہ اس کی نظر میں ہندی اعداد کا رواج ایک عامیانہ اور غیر علمی تھا۔ لیکن ہندی ارقام کے استعمال میں جس فراخدلی کا مظاہرہ البیرونی نے کیا اس کی مثال نہیں ملتی ریاضی، ہیئت اور نجوم میں جو رسالے تصنیف کئے ان میں دقیق مسائل کو بڑے آسانی طریقے سے پیش کیا گیا اور یہ ہندی علوم کا اثر تھا جس کو "الکرخی" عامیانہ سمجھتا تھا

مسلمان جغرافیہ دانوں نے نانویں صدی میں جو سرگرمی دکھائی تھی۔ وہ دسویں صدی میں آکر سست پڑ گئی، اور یہ البیرونی کا زمانہ تھا

لیکن البیرونی کا شمار دنیا کے اکابر جغرافیہ دانوں میں ہوتا ہے اس میدان میں وہ اس دور کا تنہا جغرافیہ دان نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کی خدمات بے بہا اور متنوع ہیں مثلاً جغرافیے کے ریاضی پہلو کو اگر لیا جائے تو دکھائی دیتا ہے کہ اس نے مساحت (سروے) زمین میں مختلف انداز میں پیمائش کیں اور کئی مقامات کی مماثلت کا تعین جس صحت کے ساتھ کیا۔ اس سے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اسی طرح اس نے ریاضیاتی جغرافیے کی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان کے حالات پر اس نے جس خوبی سے قلم اٹھایا اس نے اس کاوش کو بنیادی اور اس قدر اہم بنا دیا کہ البیرونی کی تصنیف "کتاب الہند" کا شمار دنیا کی بنیادی یادگاروں میں ہوتا ہے کہ قدرتی چشموں کے ظہور اور مصنوعی کنوؤں کی تشریح (ماسکونی) قوانین سے کی۔ اس کا کہنا ہے کہ وادیٔ سندھ شاہراہ ایک بحری طاس تھا۔ جو رفتہ رفتہ سیلابی مٹی سے اٹ گیا۔ البیرونی اقوام عالم کی سفین کے لحاظ سے جب تشریح کرتا ہے تو اس تصویر جس خوبی سے کھینچی اس سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستانی فلسفہ خصوصاً بھگوت گیتا اسے وہ بے حد متاثر ہوا تھا کئی سنسکرت تصنیفات کا عربی میں ترجمہ کیا اسی طرح ہندوؤں میں اسلامی علوم کو متعارف کرایا اور اشاعت کی۔

اس نے واضح کیا تھا کہ آواز کی رفتار، نور کی رفتار کی نسبت کہیں زیادہ ہے ایرانی الفضل البیرونی علم دوستی کی بدولت ایک طرف شاہوں کا ہمنشین تھا تو دوسری طرف حکمرانوں نوابوں اور شہزادوں کے وہ ان کی خرافات کا مذاق اڑاتا تھا۔

"حماقت ایک مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں یہ ہندو سمجھتے ہیں کہ ان کے ملک کے علاوہ کوئی ملک ہی نہیں ان کی قوم جیسی کوئی قوم ہی نہیں اور ان کے بادشاہوں جیسا کوئی بادشاہ ہی نہیں اور ان کے مذہب جیسا کوئی مذہب ہی نہیں یہ متکبر، احمق ہی تو ہیں وہ کوئی علم و عقل کی بات بتانے میں نہایت بخیل ہیں وہ اپنے لوگوں کو بھی کوئی بات بتانا پسند نہیں کرتے دوسروں کو تو پھر دوسرے ہیں۔

ابوریحان البیرونی سے ایک دفعہ اس کے ایک قریبی دوست نے امام رازی کی ایک کتاب مانگی۔ البیرونی نے اس سے کہا کہ اگر تم میرے نہایت قابلِ اعتماد اور قریبی دوست نہ ہوتے تو میں یقیناً تمہیں محمود غزنوی کا جاسوس سمجھتا کیونکہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رازی کو پڑھنے والے واجب القتل قرار دیے جا چکے ہیں اور علمائے دین اور سلطان محمود اُن کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔

کے لحاظ سے ہندوستان تاریخی معلومات کا بہت بڑا خزانہ معلوم ہوتا ہے۔

ابوریحان البیرونی خیوا (خوارزم) میں پیدا ہوا ہندوستان کی سیاحت میں بہت وقت صرف کیا۔ بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ سیاح، فلسفی، ریاضی دان، فلکی، جغرافیہ دان، جامع ترلیس (انسارٹ ہیڈم) عالم اسلام کا ہی نہیں دنیا کے اکابر سائنس دانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے رواداری حق طلبی اور ذہنی جسارت میں مشرق وسطیٰ میں اس کی مثال نہیں ملتی اس کا قول تھا کہ "خدا علیم و خبیر ہے لہٰذا اس کا کوئی جواز نہیں کہ انسان جاہل رہے" قابل قدر تصنیفات کا مصنف تھا بر صغیر ہندوستان کی طور طریقے سے خوش نہ تھا اس کی تضاد پسند طبیعت اسے سیر و سیاحت اور تحقیق کی طرف کھینچ لائی اسی سیاحت میں وہ ہندوستان پہنچ گیا یہاں کی تعمیرات نے اس کو بہت متاثر کیا ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا ایک طرف مداح ہے تو دوسری طرف ان کے بودے نظریات و عقائد کا نقاد جہاں وہ انہیں اچھا فلسفی اچھے ریاضی دان اور بہترین منجم سمجھتا تھا اور ان کی تعمیر کی ہوئی عمارات کنوؤں تالابوں کا مداح تھا اور نہایت فراخدلی سے ان کی فنی صلاحیتوں کے لیے رطب اللسانی تھا تو ان کی اخلاقی کمزوریوں کے ضمن میں نہایت بے رحم واقع ہوا تھا۔

ہندوستان میں سیاحت کے دوران ملتان، سندھ میں اس نے کافی عرصہ گزارا۔ مذکورہ بخیلوں سے ان کی تمام تر بخیلی کے باوجود سنسکرت اور دوسرے ہندی علوم سیکھے اس دور میں یہ علاقے ہندی علوم کا مرکز تصور کیا جاتا تھا اور یہاں کے پنڈتوں سے وہ کچھ سیکھا جو وہ انہوں کچھ بھی سکھانا گوارا نہ کرتے تھے۔

ایک طرف اس نے ہندو علوم حاصل کیے تو دوسری طرف اس نے اپنے علوم اور اعلیٰ قدروں کے ایسے نقش مرتب کیے کہ مقامی باشندوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا ابتدا میں ہندوؤں کی ناراضگی کا سبب بنا مگر بہت جلد انہی پنڈتوں سے البیرونی نے علمی استعداد کے بل بوتے پر "ودیا ساگر" (علم کا سمندر) کا خطاب

بھی حاصل کیا جو ہمیشہ یاد رہے گا ۔

اس سرزمین پر سے ودیا ساگر "نے زمین کا قطر معلوم کیا اور جو اعداد و شمار بتائے تھے عصر حاضر کی تمام تر تکنیکی سہولتوں کے باوجود "ودیا ساگر" کے بتائے ہوئے اعداد و شمار میں اور تازہ ترین اعداد و شمار میں جو فرق بتایا جاتا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے ایک روایت کے مطابق "ودیا ساگر" نے یہ انکشاف کیا تھا کہ یہ علاقہ زمین کا مرکز ہے اور آنے والے سائنسدانوں نے بھی جہلم کو زمین کا مرکز ہونے کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اسی علاقے کی مناسبت سے تھا جو دراصل چکوال کی سرزمین سے ہر طرح کی ثقافتی تہذیبی اور موزونی مناسبت رکھتا ہے ۔

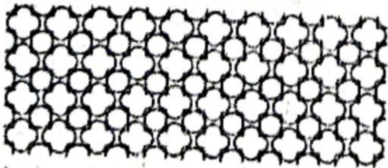
ودیا ساگر کا خطاب

قلعہ اور اس کے گرد و نواح میں زیادہ تر آبادی شودروں پر مشتمل تھی اس علاقے کے یہ لوگ مقدس پنڈتوں کی مہربانیوں پر زندگی گذار رہے تھے ان شودروں کے ایک بڑے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا تھا اس خاندان کی ایک لڑکی تھی جس کا نام "چنبلی" بتایا جاتا ہے یہ بھی اپنے قبیلے کے ساتھ مسلمان ہو چکی تھی نہ صرف مسلمان ہو چکی تھی بلکہ دوسروں کو بھی مسلمان بنانے پر کمربستہ تھی، یہاں کا ایک پروہت جو تمام پروہتوں سے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غصے سے بھرا تھا چنبلی کی حرکتوں سے تنگ آ کر اسے زہر کھلا دیا اس زہر سے وہ مر تو نہ سکی بے ہوش ہو گئی اور کئی روز بیہوش پڑی رہی یہ ان دنوں کی بات ہے جب البیرونی بھی یہاں رہ رہے تھے وہ چوٹی کے حکیم بھی تھے چنبلی کی صورت حال کی اطلاع جب انہیں دی گئی تو انہوں نے اپنا نسخہ آزمایا اور وہ ٹھیک ہو گئی شودر لوگ بڑے خوش ہوئے اور اس خوشی میں رہے سہے بھی مسلمان ہو گئے ۔

ان دنوں قلعے میں پانی کی بڑی قلت ہوا کرتی تھی دور، دور سے پانی لایا جاتا تھا پانی لانے کا ذریعہ یہی شودر لوگ تھے ان کی پیٹھوں پر مشکیں لاد کر، اور جانوروں کی طرح ہانک کر لایا جاتا تھا۔

مقدس پنڈتوں نے اپنے عقیدے کے مطابق لوگوں کو یہ بتا رکھا تھا کہ کوہستان نمک میں سارا پانی صرف کٹاس راج میں ہے اور یہ "پوتر پانی"، "مہاراج شوجی" کی آنکھوں سے بہے ہوئے آنسو تھے یہ آنسو پاربتی کے فراق میں بہے تھے اس واسطے یہ پانی مقدس ہے اور ہندوؤں کے علاوہ کوئی نہیں چھو سکتا ۔

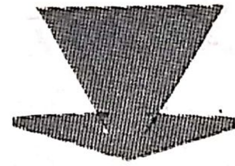
البیرونی ان کی اس جگتا کے بارے میں اکثر سوچتا رہتا تھا اور جب کہ چنبلی مسلمان ہو گئی تھی اور سب کو مسلمان دیکھنا چاہتی تھی جب اس کو معلوم ہوا کہ البیرونی ہندوں کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ قلعہ اور اس کے نواح میں پانی کیوں نہیں تو اس نے البیرونی کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا مل بیٹھ کر ایک چٹان کو کھرچنا شروع کیا ابھی تھوڑا کھودا ہی تھا کہ پانی کے دھارے پھوٹ نکلے ٹھنڈا میٹھا پانی ہندو پروہتوں کے عقیدے پر پڑی غبار کی کو بھی بہا لے گیا وہ بھی خوش ہو گئے اور اسی خوشی میں البیرونی کو ایسا خطاب دیا جو ان کے نزدیک بڑا مقدس خطاب تھا اور انہیں "ودیا ساگر" کہہ پکارنے لگے ۔





ابوریحان البیرونی اور قلعہ نندنہ

(پروفیسر انور بیگ اعوان)



البیرونی یا جیسا کہ اس کے ہم وطن اسے ابوریحان کے نام سے یاد کرتے ہیں ۹۷۳ء میں وہاں پیدا ہوا تھا جسے آج کل جلنیوا کہتے ہیں لیکن زمانہ قدیم میں وہ خوارزم یا خراساں کے نام سے مشہور تھا ابتداً اس نے سائنس اور لٹریچر میں شہرت حاصل کر کے اپنے ہی وطن میں خاندان ماموں کے حکمران کی وزارت کے مرتبہ پر فائز رہ کر سیاسی معاملات میں حصہ لینا شروع کیا اگرچہ ماموںی حکمران سلطان محمود غزنوی (وفات ۱۰۳۰ء) کے رشتہ داروں ہی میں سے تھا لیکن اس شہزادے کے طور اطوار سے سلطان محمود کی طبیعت منقبض رہنے لگی سلطان نے طیش میں آ کر خیوا کے حکمران کی آزادی میں مخل ہونے کے لیے بہانہ ڈھونڈنا شروع کیا جیسا کہ مشہور ہے کہ خوسے بدرا بہانہ بسیار سلطان نے اس ملک پر چڑھائی کر دی اور تھوڑے سے جنگ و جدل کے بعد وہاں اپنی حکومت کا سکہ بٹھا لیا اور اس صوبہ میں اپنا گورنر تعینات کر کے اور کچھ سپہ سالار وہاں چھوڑ کر خود غزنی واپس چلا آیا وہ اپنے ساتھ بے شمار مال غنیمت خیوا کی افواج معزول شدہ خاندان ماموں کے شہزادے اور ملک کے سربرآوردہ اشخاص کو لے آیا ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (وفات /) بھی آخرالذکر زمرہ میں شامل تھا۔

یہ واقعہ ۱۰۱۷ء کے موسم بہار میں وقوع پذیر ہوا خراسانی شہزادوں کو تو دور دراز کے قلعوں میں شاہی قیدیوں کی حیثیت سے بھیج دیا اور خراسانی سپاہ شاہی افواج میں بھرتی کر لی گئی مگر البیرونی کے ساتھ غزنی میں کیا سلوک کیا گیا اس کے بارے میں وثوق سے کچھ بھی کہنا مشکل ہے غالباً اسے سلطان محمود نے اپنے قاضی القضاۃ خواجہ حسن میمندی کے حوالے کر دیا ان حالات میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا رہا اس کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات نہیں مل سکیں البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بغداد کا ایک عیسائی حکیم و طبیب ابوالخیر الحماد جو البیرونی کا دوست اور اس کی غربت کا شریک حال تھا وہ غزنی میں طبابت کرتا تھا البیرونی کو غالباً ایک منجم کی حیثیت سے کافی شہرت ملی تھی اگرچہ وہ علم نجوم کے علاوہ ریاضی منطق اور تاریخ میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا اس بات کا کوئی خاص ثبوت ہم تک نہیں پہنچتا کہ غزنی میں اپنے قیام کے دوران اس نے سلطان محمود کے دربار سے کس قسم کی وابستگی اختیار کر لی تھی البتہ یہ بات یقینی ہے کہ سلطان محمود کے بیٹے اور جانشین سلطان مسعود (وفات ۱۰۴۱ء) کے ساتھ اس کے تعلقات نہایت گہرے تھے، ہم دیکھتے ہیں کہ البیرونی نے اپنی کتاب قانون مسعودی اس سلطان کے نام سے معنون کی تھی۔ اس کی دوسری تصنیفات کے نام یہ ہیں۔

تاریخ اقوام قدیم تعارف علم نجوم کتاب علم الادویہ، علم نجوم کی جدولیں خلاصۃ المجسطی اور یونانی اور سنسکرت کی کتابوں کے کئی ترجمے۔

اس نے سنسکرت میں بھی متعدد کتابیں لکھی ہوں گی کیونکہ ایک جگہ وہ لکھتا ہے وہ ہندوؤں کے لیے اقلیدس اور ماجسطی کی کتابیں لکھنے اور اسطرلاب بنانے کے لیے انہیں ہدایات لکھوانے میں مصروف ہے اور اس سلسلے میں اس کا مقصد محض سائنسی علوم کی نشر و اشاعت ہے اس کی جو تصنیف جنوبی ایشیا میں تہذیب و ثقافت کے طالب علموں کے لیے خصوصی دلچسپی اور اہمیت کی حامل ہے اس کا نام کتاب الہند ہے جو مذہب سائنسی علوم اور ہندوؤں کے معاشرتی رسم و رواج کا عالمانہ انداز میں بھرپور جائزہ پیش کرتی ہے اور جسے سلطان محمود کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مکمل کیا گیا تھا اس کتاب کے متعلق مشہور جرمن سکالر سخاؤ لکھتا ہے "اگر ہمارے زمانے میں کوئی شخص سنسکرت اور ہندو علوم سیکھنا شروع کرے باوجود اس امداد اور سہولت کے جو اسے جدید علوم اور لٹریچر سے بہم پہنچ سکتی ہے اسے ہندوستان کی قدیم اشیا اور علوم کو کماحقہ سمجھنے اور سیکھنے کے لیے طویل مدت درکار ہوگی لیکن پھر بھی وہ اس مہارت کا مظاہرہ نہیں کر پائے گا جس صحت اور مہارت کا مظاہرہ البیرونی نے اپنی تصنیف کتاب الہند میں کیا ہے" پانیکر البیرونی کے متعلق لکھتا ہے کہ البیرونی ہندوستانی چیزوں کے مطالعہ کرنے والوں میں سب سے بڑا عالم اور مبصر تھا۔ اور اس میں رتی بھر شک و شبہ نہیں غیر ملکی تہذیب و ثقافت کے ایک مطالعہ کے طور پر اس کی کتاب نہ صرف مسلمان سکالرشپ کے نقطہ عروج پر پہنچی ہوئی ہے بلکہ آج تک بلند پایہ علمیت کا شاہکار عمیق مشاہدے اور بے حد غیر متعصبانہ تجزیے کے حوالے سے بے مثل اور بے نظیر ہے۔

اپنی کتاب کے دیباچہ میں البیرونی ان اصولوں پر بحث کرتا ہے جنہیں ایسے مذاہب اور معاشروں پر کلام کرتے ہوئے پیش نظر رکھنا چاہیئے جو قلمکار کے اپنے عقائد اور معاشرے کے مخالف ہوں وہ دوسرے معاشروں کی غلط تصویر کشی پر تنقید کرتا ہے اور وہ دوسروں کی نقل کرکے نادرست معلومات کو برا سمجھتا ہے وہ ایسے مواد کو کچرے کا ڈھیر قرار دیتا ہے جسے تنقیدی نگاہ کی چھلنی سے چھانا پھٹکا نہ گیا ہو جس اصول کو اس نے اپنایا تھا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں کے بارے میں صرف ان معلومات اور بیانات کو درخور اعتنا سمجھا جائے جو ان کی معتبر اور مستند تصانیف شمار ہوتی ہیں وہ اپنی کتاب کے متعلق کہتا ہے کہ یہ کتاب مناظرانہ انداز کی نہیں ہے میں اپنے مخالفین کے ان دلائل کو لکھوں گا جس سے ان کی تردید ہوتی ہو جو میں سمجھتا ہوں کہ غلط ہیں میری کتاب حقائق و واقعات کا ایک سچا تاریخی ریکارڈ ہے میں اپنے قارئین کے سامنے ہندوؤں کے صرف درست نظریات پیش کروں گا اور اس سلسلے میں اسی طرح کے یونانی نظریات کا بھی ذکر کروں گا تاکہ ان کے مابین جو رشتہ ہے وہ واضح ہو سکے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ سلطان محمود غزنوی کسی بات پر مشتعل ہوگیا اور علم النجوم کی تحقیر کرنے لگا۔ اس وقت دربار میں البیرونی بھی موجود تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کا امتحان لینے کی ٹھانی۔ سلطان نے پہلے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا اور البیرونی کی علمیت کو جھٹلانے کا تہیہ کر لیا۔ دربار میں چار دروازے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے البیرونی کو مخاطب کر کے کہا:

"تم علم النجوم اور فلکیات کے بارے میں بہت دعوے کرتے ہو۔ اپنے علم کی رو سے بتاؤ کہ ہم اس وقت جب اٹھیں گے تو ان دروازوں میں سے کس دروازے سے باہر جائیں گے؟"

البیرونی نے چند ثانیے توقف کیا۔ اس کے بعد کاغذ کے پرزے پر چند سطور لکھیں۔ کاغذ کے پرزے کو تہ کر کے اپنے قریبی معزز درباری کے ہاتھ میں دے کر کہا:

"جب تک میں نہ کہوں اسے کھولا نہ جائے۔"

البیرونی نے اس کے بعد سلطان محمود غزنوی کے سامنے سر جھکا کر ادب سے کہا:

"سلطان عالی مقام، آپ جس دروازے سے باہر نکلیں گے اس کے بارے میں میرا علم مجھے جو کچھ بتاتا ہے، وہ ایک کاغذ کے پرزے پر لکھ کر اپنے اس درباری ندیم کے حوالے کر دیا ہے۔"

"خوب!" سلطان محمود غزنوی کے لہجے میں بلا کا طنز تھا۔

اس نے حکم دیا:

"ہم ان چاروں دروازوں میں سے کسی دروازے سے بھی باہر نہیں جائیں گے۔ مشرقی دیوار کو بیچ سے توڑ کر راستہ بنایا جائے۔ ہم اس راستے سے باہر جائیں گے۔"

سلطان محمود غزنوی کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ آناً فاناً خدمت گزاروں نے مشرقی دیوار کو درمیان سے توڑنا شروع کر دیا اور پھر اس میں راستہ بن گیا۔ دربار کے امراء اور حاضرین تعجب سے سلطان محمود غزنوی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں البیرونی پر رحم آ رہا تھا، جس کی آج درگت بننے والی تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے البیرونی کو اشارہ کیا:

"کہو، اب مان گئے کہ تمہارے علم نے شکست کھائی..."

سلطان محمود غزنوی بڑے طمطراق سے چلتا ہوا اس دیوار کے شگاف سے باہر گیا اور پھر واپس آگیا....

"ہم کس راستے سے باہر گئے البیرونی....؟" سلطان محمود غزنوی نے پوچھا۔

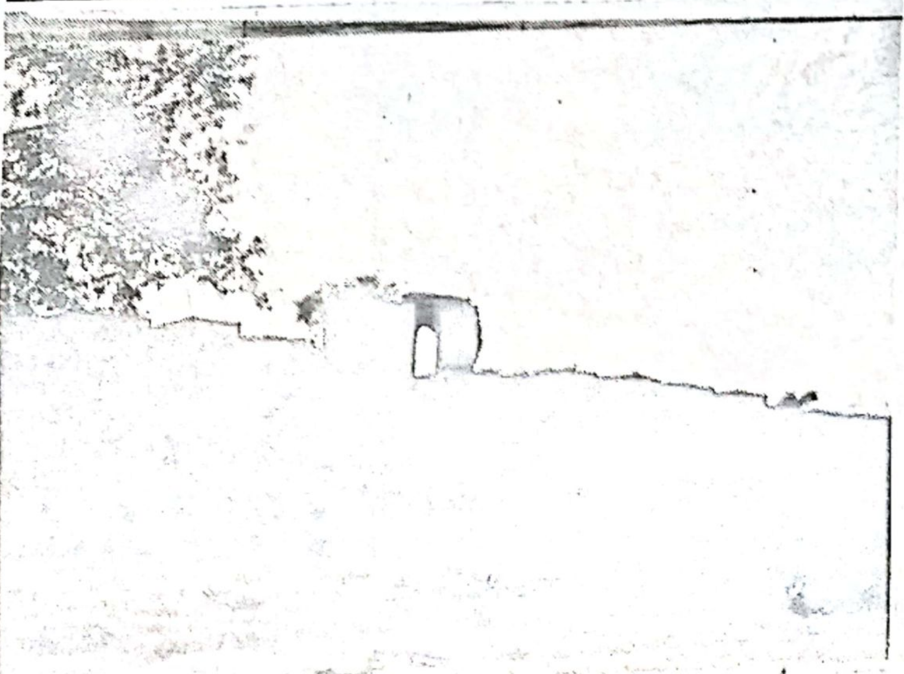
البیرونی نے اپنے ساتھی درباری کو اشارہ کیا جس نے ادب سے آگے بڑھ کر وہ تہ کیا ہوا کاغذ کا ٹکڑا سلطان کے حضور پیش کر دیا۔ سلطان محمود غزنوی نے کاغذ کا وہ پرزہ کھولا۔ اسے پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ لکھا تھا:

"سلطان معظم، مشرقی دیوار میں شگاف کرا کے باہر جائیں گے۔ ان چاروں دروازوں میں سے کسی کو استعمال نہیں کریں گے۔"

سلطان محمود غزنوی نے البیرونی کی طرف دیکھا، مسکرایا اور کہا، "البیرونی، تمہارا علم سچا ہے۔"

البیرونی ہندوؤں کو اعلیٰ پایہ کا فلاسفر اچھے ریاضی دان اور عمدہ منجم سمجھتا تھا وہ ان کے ذہنی کارناموں کا سچا مداح تھا اور جب اس کا ان کی علمی زندگیوں اور سائنسی علوم میں کوئی عمدہ و اعلیٰ بات کا سامنا کرتا تو وہ ان کی مداح و توصیف میں کسی بخل سے کام نہ لیتا مقدس مقامات پر نہانے کے لیے بڑے بڑے تالابوں کی تعریف کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

"ان کی تعمیر میں انہوں نے کمال فن حاصل کر رکھا ہے یہاں تک کہ جب ہمارے مسلمان لوگ ان کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور انہیں بیان نہیں کر سکتے



قلعہ ملوٹ کے کھنڈرات

ان جیسے تعمیر کرنے کا تو کوئی سوال نہیں ہوتا۔"

البیرونی ہندوؤں کے مقابلہ میں کافی انصاف پسند فراخ دل اور ہمدردانہ رویہ رکھتا ہے لیکن اس نے ان کی فکری اور دوسری کمزوریوں کا کھل کر تجزیہ کیا ہے اس کی کتاب کے اٹھارویں باب کا ایک طویل حصہ ہندوؤں کے آداب و اطوار اور رسم و رواج کے بارے میں ہے اور ایسی باریک نازک اور سچی تفصیلات پر مشتمل ہے کہ کتاب الہند کا مترجم سخاؤ کو بعض پیروں کا ترجمہ صاف انگریزی میں کرنے کی بجائے لاطینی زبان کا سہارا لینا پڑا ہے رسائن کے معنے سونا بنانا بوڑھوں کو جوان بنانا وغیرہ کے متعلق بھیانک عملیات کے بارے میں البیرونی کے طنزیہ جملوں کا ترجمہ کرنے میں بھی اس نے اصل متن کی روح کو کسی قدر توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے البیرونی خرافات کو برداشت نہیں کر سکتا تھا البیرونی کی تصنیف کتاب الہند کا پہلا باب جس میں ہندوؤں کا عمومی ذکر ہے وہ بھی ہندو سماج کی فکری کمزوریوں کا عمیق تجزیہ پیش کرتا ہے ایک پیراگراف کا آغاز درج کرنا یہاں پر نامناسب نہ ہوگا۔

"ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ حماقت ایک ایسی بیماری ہے جو لاعلاج ہے اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ان کے ملک کے علاوہ کوئی اور ملک ہی نہیں ہے ان کی قوم کی مانند کوئی قوم ہی نہیں ان کے بادشاہوں کی مانند کوئی بادشاہ ہی نہیں کوئی مذہب ان کے مذہب جیسا نہیں اور کوئی سائنس ان کی سائنس جیسی نہیں وہ متکبر اور احمقانہ حد تک تعصبی خودسر مدمغ اور کند ذہن ہیں وہ معلومات دینے کے سلسلے میں کافی کنجوس و بخیل ہیں اور وہ اپنے لوگوں پر موجود دوسری ذات کے لوگوں کو محروم رکھنے میں بھی ہر ممکن کوشش میں لاتے ہیں کسی اجنبی اور غیر ملکی کا تو ذکر ہی کیا" مسلمانوں کے حالات و احوال بتانے کے ضمن میں بھی البیرونی اسی طرح کی معروضیت اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتا ہے اور بار بار ان معاملات کا حوالہ دیتا ہے جن میں اس کے عہد کے ہندوؤں پر مسلمانوں کو بجا طور پر برتری حاصل ہے اس نے جمہوریت پر مبنی مسلم معاشرے کا ہندوؤں کی ذات پات کی تمیز پر مبنی نظام اور مسلمانوں کی طہارت پسندی اور شائستگی کا ہندوؤں میں مروج گندگی اور غلیظ رسم و رواج سے مقابلہ کیا ہے

لیکن اس نے مسلمانوں کی کمزوریوں کی بھی نشاندہی کی ہے اگرچہ کہ وہ سلطان محمود کے کئی پہلوؤں بنظر تحسین دیکھتا ہے لیکن اس کی فوجی مہمات کی بدولت ہندو علوم سیکھنے کے خواہش مند طلباء کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ ان کی بھی نشاندہی کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا محمود نے ملک کی خوشحالی کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا اس نے حیرت ناک معرکے مارے جن کی وجہ سے ہندو خاک کے ذروں کی طرح ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور وہ لوگوں کے مونہوں میں قصہ پارینہ بن گئے ان کی منتشر باقیات میں بلاشبہ تمام مسلمانوں کے لیے ناقابل فراموش نفرت لیے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو علوم ان علاقوں سے بہت دور چلے گئے ہیں جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے اور اب وہ وہاں

موجود ہیں جہاں تک تا حال ہماری رسائی نہیں یعنی کیا ہو۔

کشمیر بنارس اور دوسرے مقامات وغیرہ ہیں۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے البیرونی کی کوششوں کو بعد میں قائم نہیں رکھا گیا یعنی اس کی معلومات میں بعد میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا اور جو وہ معلوم کر گیا وہ بدستور رہنے دیئے گئے اگرچہ بہت سے علماء اس کی تصانیف سے فائدہ اٹھاتے رہے اس کے بعد جلال الدین اکبر (وفات ۱۶۰۵ء) کے زمانہ تک کسی کو سنسکرت کے ترجمہ کا خیال پیدا نہ ہوا لیسے کئی اشخاص گذرے ہیں جس نے اس کتاب کی نقلیں اتاریں مگر ایسا کوئی نہ گذرا جس نے اس میں کوئی اضافہ

قلعہ نندنہ سے البیرونی کا خاص تعلق ہے اس نے نہ صرف یہاں کے پنڈتوں سے سنسکرت کا علم حاصل کیا بلکہ یہیں رہ کر اس نے مختلف تجربات کیے اور بالآخر زمین کا قطر معلوم کرنے میں کامیاب ہوا اس کی تحقیق کے مطابق زمین کا قطر ۱۵۸۲۶۵۰۸ میل ہے دریائے سندھ کے کنارے واقع ہنڈ کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد نندنہ شاہی خاندان کے حکمران کا مضبوط گڑھ بن گیا یہ قلعہ پوآسیدن شاہ سے ٹھیک مشرق کی سمت تقریباً" ۱۴ میل کے فاصلے پر مواضعات باغانوالہ اور آڑہ کے درمیان ایک سنگلاخ پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے اس جگہ کی سطح سمندر سے بلندی تقریباً" پندرہ سو فٹ ہے یہ قلعہ مقامی پتھروں سے بنایا گیا تھا قلعہ کے اندر ایک قدیم مندر مسجد اور گاؤں کی آبادی بھی تھی جو حادثات زمانہ کے ہاتھوں کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے ہیں طبقات اکبری میں اس کا نام نندنہ کے علاوہ ملستا بھی دیا ہوا ہے نندونہ ، نناروین نندانہ بھی بعض تاریخی کتابوں میں لکھا ملتا ہے راج ترنگنی کے حوالہ سے نندنہ کا مطلب "راجہ اندر کا باغ" ہے۔

یہ قلعہ کس نے اور کب تعمیر کیا؟ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا اس قلعہ کا تذکرہ پہلی بار سلطان محمود غزنوی (وفات ۱۰۳۰ء) کے حملوں کے ضمن میں سلاطین کی تاریخوں میں ملتا ہے تاریخ فرشتہ کے مطابق ۱۰۰۸ء میں محمود بالناتھ کے پہاڑ میں واقع نندنہ کے قلعہ پر حملہ آور ہوا جبکہ انند پال کا بیٹا جے پال لاہور کا حکمران تھا سلطان محمود نے قلعہ پر قبضہ کر کے وہاں پر اپنا گورنر مقرر کر دیا اور خود راجہ جے پال کے تعاقب میں کشمیر کا رخ کیا کیونکہ جے پال وہاں بھاگ گیا تھا بعد کی تاریخی کتابوں میں نندنہ کا متعدد بار ذکر کیا ہے تیرھویں صدی کے اوائل میں اس قلعہ پر قمر الدین کرمانی کا قبضہ تھا جس سے جلال الدین خوارزم کے جرنیل نے چھین لیا لیکن دریائے سندھ کے کنارے چنگیز خان کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد چنگیز خان کے ایک سردار مغل نے اس پر قبضہ جما لیا اور یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا بعد ازاں اس کا ذکر ان مقامات کی فہرست میں آتا ہے جنہیں سلطان التمش (وفات ۱۲۳۶ء) نے فتح کیا



قلعہ نندہ جس کے کھنڈرات اپنی عظمت رفتہ کے نوحہ خواں ہیں۔

جارج وڈم کاک کا خیال ہے کہ سکندر اعظم کے
حملہ کے وقت (۳۲۶ ق م) سلسلہ کوہستان نمک
کے جس راجہ کا یونانی مورخین ٹیکسلا ئی لٹس بتاتے
ہیں اس کا گرمائی صدر مقام یہی نندنہ کا قلعہ تھا
جب نندنہ پر عروج کا زمانہ تھا تو دور دور
سے لوگ علم حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا کرتے تھے
جب سلطان محمود نے اسے فتح کیا تو اس کے لشکر
میں ایک نابغہ روزگار ہستی البیرونی کی بھی تھی جس
نے چند سال تک اس قلعہ میں اقامت اختیار کی
اور اپنی مشہور تصنیف کتاب الہند مکمل کی

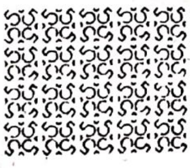
جب نندنہ پر عروج کا
زمانہ تھا تو لوگ دور، دور سے
علم حاصل کرنے
یہاں آیا کرتے تھے۔

البیرونی کے وقت قلعہ نندنہ کی زیادہ
آبادی شودروں پر مشتمل تھی جو پنڈتوں کے رحم و کرم
پر گزارہ کرتے تھے شودروں میں سب سے پہلے بدھو
خاندان نے اسلام قبول کیا اس خاندان کی ایک
بیٹی جنبیلی کے نام سے پکاری جاتی تھی مذہب اسلام
چونکہ سادہ خوبصورت اور سادہ فطرت تھا اس لیے
جنبیلی نے اسے سچے دل سے قبول کر لیا اور وہ پہلی
مبلغہ اسلام خاتون قرار پائی پروہت رام دیال
نے جو اس نئے مذہب اسلام سے نفرت کرتا
تھا نے جنبیلی کو زہر دلوا دیا جو کئی دن بے ہوش رہی
البیرونی نے جو علم طب کا بھی ماہر تھا جنبیلی کا علاج
کیا اور وہ صحت یاب ہو گئی اس طریقہ علاج سے
شودر اتنے متاثر ہوئے کہ کئی خاندان مسلمان ہو گئے۔
قلعہ میں پانی کی شدید قلت تھی پانی دور
سے لانے کی ذمہ داری شودروں پر تھی جنہیں کوٹروں
کے سائے میں جا کر پانی لانا پڑتا تھا پنڈتوں
کا عقیدہ تھا کہ کوہستان نمک میں پانی کا تمام ذخیرہ کٹاس
راج میں موجود ہے اور یہ پوتر پانی جو شو جی مہاراج
کی آنکھوں سے جاری ہوا تھا اور یہ آنسو پاربتی کے فراق میں بہتے
اس واسطے یہ مقدس پانی سوائے ہندوؤں کے اور
کوئی استعمال نہیں کر سکتا اس عقیدہ کو باطل کرنے
کے لیے البیرونی نے قلعہ میں موجود چٹانوں کا بغور مطالعہ
کیا اور ایک دن جنبیلی کو ساتھ لے کر ایک چٹان کے نیچے
کھودنے کو کہا جنبیلی نے تھوڑا ہی کھودا تھا کہ ٹھنڈے
اور میٹھے پانی کا دھارا بہہ نکلا جس پر وہتوں نے البیرونی
کو ''ودیا ساگر'' کا خطاب دیا یہ نابغہ روزگار ہستی
۱۰۳۶ء کو راہی ملک عدم ہو گئی

علامہ ابو ریحان البیرونی کے حالات
زندگی سے ہمیں چند سبق ملتے ہیں جنہیں پیش
نظر رکھنے سے ہمیں دنیائے علم و حکمت کے
میدانوں میں عروج و ترقی حاصل کرنے میں

البیرونی
دنیائے اسلام ہی کا نہیں
بلکہ پوری نوع انسانی کا ایک عظیم
دانشور ہے۔

مدد مل سکتی ہے اور وہ اسباق کچھ یوں ہیں
(۱) قوموں کی ترقی علم و دانش مندی سے ہوتی ہے
نہ کہ مال و دولت سے (۲) علم و دانش کے حصول
کے لیے سخت محنت اور لگن سے کام لیا جانا
چاہیئے اور تین یہ کہ اپنے مخالفین کے نظریات
عقائد و رسوم پر تنقید کرتے وقت معروفیت اور
بے تعصبی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔





Weekly PREM SAGGAR CHAKWAL



ملوٹ کا قلعہ راج گڑھ جس کے جنوب کونے پر دو ڈبرے نظر آ رہے ہیں ان کے نیچے جنوب کی سمت میں پورہ صاف نظر آتا ہے اور یہ ڈبرے پورے صاف نظر آتے ہیں روایت ہے کہ البیرونی نے ان کی مدد سے پیمائشیں لے کر زمین کا محیط اور قطر وغیرہ معلوم کئے۔



جب نندنہ پر عروج کا
زمانہ تھا تو لوگ دور دور سے
علم حاصل کرنے
یہاں آیا کرتے تھے۔